لہٗ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

اس شمارے میں

نقشِ آغاز	مولانا سمیع الحق		۴
ترقی اور اسلام	مولانا شمس الحق افغانی مدظلہٗ	بہاولپور	۱۱
دین اور تجدد کی کشمکش	مولانا احتشام الحق تھانوی	کراچی	۲۳
علماء حق کی اصلاحی کوششیں	مولانا سعید احمد اکبر آبادی	علی گڑھ	۲۹
نبوت کی حقیقت اور اسکی عظمت	مولانا امین الحق صاحب مدظلہٗ	شیخوپورہ	۳۴
خلائی سفر اور اسلام	مولانا محمد فرید صاحب مفتی	دار العلوم حقانیہ	۴۳
حدیث اور سنت	مولانا جعفر محمد صاحب	کراچی	۴۶
یہود کا ذکر قرآن کریم میں	مولوی محمد ضیاء الحق (بی اے)		۵۶
احوال و کوائف دار العلوم	ادارہ		۶۱

جلد نمبر ۲ — شمارہ نمبر ۱۲ — جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ — ستمبر ۱۹۶۶ء

زر سالانہ چھ روپیہ — فی پرچہ ۵۰ پیسے — غیر ممالک سالانہ ایک پونڈ

مشرقی پاکستان بذریعہ ہوائی ڈاک آٹھ روپیہ سالانہ

سمیع الحق استاد دار العلوم حقانیہ طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر
دفتر الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

نقشِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قومی یکجہتی، استحکام، باہمی رواداری اور اتحاد و اتفاق کی ضرورت و اہمیت سے کس باشعور شخص کو انکار ہو سکتا ہے۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں عنانِ اقتدار ہے ان کی طرف سے بھی ملکی سالمیت کی خاطر قومی یکجہتی، باہمی اتحاد اور حسنِ معاشرت پر زور دیا جا رہا ہے۔ اس ملک کی غالب اکثریت اہلِ سنت والجماعت کی ہے۔ جس کے ریشہ ریشہ میں صحابہ کرامؓ کی عظمت و تقدیس کے ساتھ ساتھ اہلِ بیتؓ اور ائمہ اطہارؒ کی محبت بھی رچی بسی ہے۔ ایک ایسی اکثریت اگر اپنے اساسی نظریات دینی معتقدات و مسلمات کے تحفظ اور دفاع کے لئے کسی اقلیتی فرقہ کی ان سرگرمیوں میں قدغن کرتی ہے۔ جنکی زد دینی عظمت و تقدس اور دینی افکار و نظریات پر پڑ رہی ہو، یا جس سے ان کے مسلک و مذہب کے ان لوگوں کی عظمت مجروح ہوتی ہے جن کا وجود دین میں افتخاری اور اسوہ کا مقام رکھے ـــــ تو ایک اسلامی اور جمہوری ملک میں اسے ہرگز انتشار پسندی اور تفرقہ انگیزی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اس اخلاقی، سیاسی، جمہوری اور دینی استحقاق کے باوجود یہاں کی اکثریت محض قومی یکجہتی اور ملکی استحکام کی خاطر (یا اپنی دینی اقدار و مسلمات سے غفلت اور بے حسی کی وجہ سے) اقلیتی طبقوں سے جس رواداری یا مساوات اور حسنِ سلوک کا مظاہرہ کرتی ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اس حسنِ معاشرت اور فراخدلی کا خیر مقدم کیا جاتا، اپنے دل آزار معتقدات کو اپنے تک محدود رکھا جاتا، نہ یہ کہ پورے ملک کے سوادِ اعظم پر اپنے جارحانہ عزائم اور توسیعی ارادے نافذ کرانے کی سعی کی جاتی۔ اور اس کے لئے وہ روش اختیار کی جاتی جو نہ تو پاکستان کی سالمیت اور بنیادی اصول سے جوڑ کھائے اور نہ اکثریت کا مسلک و مذہب اسے گوارا کر سکے ـــــ مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کوئی فرقہ یا جماعت تو کیا کوئی ایک فرد بھی اٹھ کر پورے ملک کے اعتقادات اور پاکستان کے اساسی نظریہ "اسلام" کو للکار سکتا ہے۔ اُسے دین اور مذہب کے ایک ایک ستون گرانے اور اسلام کے پورے فکری نظام کو تہ و بالا کرنے کی کھلی چھوٹ ہے وہ زندگی کی چوٹ علم و شیخت، مدرسہ و خانقاہ، مسجد و مکتب درس و تدریس تصنیف و مطالعہ، ارشاد و مشیخت، غرض اسلام کی ترجمانی کرنے والے تمام مظاہر، اداروں، اور شخصیتوں کو حرفِ غلط کی طرح مٹانے کی تبلیغ کرتا ہے۔ چند افراد کا ایک گروہ تجدد اور روشن خیالی کے پندار میں پورے دینِ فطرت اسلام کو ملکی ترقی کے لئے "ریورس گیئر" سمجھتا ہے۔ اور

اور اسلام کی ترجمانی کرنے والے تمام علماءِ حق کو "ملائیت" کے نام پر پابندِ طوق و سلاسل کرنے کے مشورے دے رہا ہے۔ (ملاحظہ ہو فکر و نظر۔ اگست ۱۹۷۰ء) ایک شخص (غلام احمد پرویز) اٹھ کر اسلام کے پورے "حدیثی ذخیرہ" اور پیغمبر کی تشریعی حیثیت پر ہاتھ صاف کرتا ہے۔ مگر اس تمام جارحانہ غیر جمہوری، غیر اخلاقی اور لادینی تحریر و تقریر کو قومی یکجہتی کے خلاف اور اکثریت کی دلآزاری قرار نہیں دیا جاتا۔ بلکہ اسلام کی تحقیق و ریسرچ کے نام پر اس اسلام دشمنی اور سیکولر نوازی کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اگر اس ظلم و افراتفری کے خلاف اکثریت کوئی آواز اٹھاتی ہے، تو الٹا اسے انتشار پسند اور تفرقہ انگیز سمجھ لیا جاتا ہے۔

جعلی نبوت کی علمبردار ایک جماعت (جسے پوری اسلامی دنیا روزِ اول سے کافر، مرتد اور خارجِ اسلام سمجھتی ہے) بلا روک ٹوک اپنی نبوتِ کاذبہ کا پرچار اور مسلمانوں کے بنیادی عقیدۂ ختمِ نبوت اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کو چیلنج کرتی ہے۔ ملکی زرِ مبادلہ سے تبلیغ کے نام پر دیس دیس میں اسکی خلافِ اسلام مساعی جاری ہیں۔ اس کا امیر پورے طمطراق اور شان بان سے اسلام کا "نمائندہ مسلمانوں کا خلیفہ" اور پاکستان کا "مذہبی راہنما" بن کر یورپ کے سرکاری اور عوامی محافل میں پیش ہو رہا ہے۔ عالمِ اسلام کے بدترین دشمن اسرائیل تک میں اس جماعت کے مشن قائم ہیں جسکا اعلان وہ بلا کسی جھجھک کے اپنے گوشواروں میں کر رہی ہے۔ مگر ارتداد کی اس مہم کو نہ تو قومی یکجہتی کے منافی سمجھا جاتا ہے۔ اور نہ مسلمانوں کے عزیز ترین اعتقادات کیلئے چیلنج؛ جبکہ اس ملک کی اکثریت کو اپنے دین اور پیغمبر سے جذباتی اور فدائیانہ لگاؤ ہے۔

اہلِ سنت والجماعت (دوسرے الفاظ میں پاکستان کی غالب اکثریت) کی "فراخ حوصلگی" سے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش ہمارے شیعہ بھائیوں نے بھی کچھ عرصہ سے شروع کر رکھی ہے۔ ان کے ایک بڑے گروہ کی جانب سے ۱۔ شیعہ بچوں کے لئے الگ نصاب تعلیم و تربیت بنانے۔ ۲۔ عزاداری (دوسرے الفاظ میں تبرا اور صحابہؓ کے سب و شتم) کے جلوسوں کو ہر قسم کی پابندی سے آزاد کرانے۔ ۳۔ اور شیعوں کے لئے ایک الگ اوقاف بورڈ قائم کرنے کے مطالبات پیش کئے جا رہے ہیں۔ ان مطالبات کی خاطر "میدانِ کربلا" کی یاد تازہ کرنے تک کی دھمکیاں دی گئی ہیں۔ اب تک اکثریتی طبقہ کے علمی و فکری حلقوں نے ان انتشار انگیز باتوں کو درخورِ اعتناء ہی نہ سمجھا، کہ ملکی استحکام اور بقاء کو غتربود کرنے والی ان فتنہ آمیز باتوں پر غور کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جبکی ہلاکت آفرینی کا شیعہ حضرات کے سمجھدار اور سنجیدہ حلقوں کو بھی احساس ہو گا کہ الگ تھلگ رہنے کا یہ احساس اور علیحدگی کی یہ جدوجہد اگر ایک طرف ملک کی سالمیت پر ایک کاری ضرب ہے تو دوسری طرف عظیم اکثریت کے ردِ عمل کی شکل میں خود شیعوں

کیلئے یہ انداز افتراق بیشمار مشکلات کا باعث بن سکتا ہے۔ علیحدگی کے ان رجحانات کا رد عمل پھر تعلیم اور اوقاف تک محدود نہ رہے گا بلکہ کئی دیگر ایسے امور میں اس کا ظہور ہو سکتا ہے۔ جس کا تصور بھی ملک وملت کے بہی خواہ نہیں کر سکتے۔ ان وجوہات سے اہل سنت ان مطالبات کو "دیوانوں کی بڑ" سمجھتے رہے ہے مگر بدقسمتی سے اونچی سطح پر بعض ایسی باتیں ظاہر ہونے لگیں جس سے اہل سنت کی خوش فہمی اور حسن ظن غلط ثابت ہونے لگا۔ مثال کے طور پر یہ المناک خبر کہ سرکاری مدارس کے نصاب اسلامیات میں سے خلافت راشدہ کا عنوان حذف کر دیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر سکولوں کو ایک سرکلر کے ذریعہ سیدنا ابوبکرؓ سیدنا عمرؓ سیدنا عثمانؓ جیسے معماران اسلام کے احوال وسوانح کی تعلیم سے روک دیا گیا ہے۔ (جن کی سوانح یورپ کی بعض یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل اور ان کے لئے مشعل راہ ہے۔) جن کی پاکیزہ معیاری سیرت ملک اور معاشرہ کی تشکیل کیلئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسری طرف جناب گورنر مغربی پاکستان کیطرف سے شیعہ مطالبات پر غور کیلئے بورڈ کی نامزدگی کی خبریں آئیں ان امور نے بجا طور پر اہل سنت کو چونکا دیا ہے۔ اور یہ خبریں پورے ملک کیلئے لمحۂ فکریہ بن چکی ہیں۔ ایک ایسی تحریک جس کے نتیجہ میں ملک ملت ہمیشہ کیلئے دو گروہوں میں بٹ جانے اور نہ ختم ہونے والے افتراق کا سلسلہ شروع ہو، کوئی معمولی سانحہ نہیں جس سے اہل سنت اور ملک کے دوسرے خیر خواہ صرف نظر کر سکیں ـــــ اس سلسلہ میں پچھلے دنوں ملتان میں تنظیم اہل سنت کیطرف سے سنی کنونشن کا انعقاد وقت کی اہم ضرورت اور ہر لحاظ سے موزوں اقدام ہے۔ اس کنونشن میں پورے مغربی پاکستان کے مختلف دینی عناصر نے بھاری تعداد میں شمولیت کی اور مسئلہ کے جملہ پہلوؤں پر غور کے بعد چند قرار دادیں پاس کیں جن میں ان امور کا سختی سے محاسبہ کیا گیا ہے جس کے نتیجہ میں باہمی عناد و فساد اور فرقہ وارانہ تلخی اور تصادم پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس ضمن میں اہل سنت کے مختلف مکاتب فکر سے اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے باہمی اتحاد و اتفاق کی اپیل اور شیعوں کے دل آزار مساعی جلسے جلوسوں اور صحابہ کرامؓ کی بے حرمتی اور گستاخی پر پابندی کا مطالبہ اور نصاب میں خلفاء راشدینؓ کی سیرت نکالنے کی سازش وغیرہ امور پر شدید احتجاج کیا گیا ہے۔ یہاں ان تمام قرار دادوں پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ـــــ یہ قرار دادیں ملک کی خیر خواہی دین کے تحفظ اور قومی سالمیت کی ترجمان ہیں۔ اور ہر لحاظ سے تائید کی مستحق ـــــ ظاہر ہے کہ نہ تو ایک مٹھی بھر جماعت کی خاطر ملک وملت اس تشتت اور باہمی تقسیم کی متحمل ہے۔ اور نہ اہل سنت اپنے ان بزرگوں اور مقدس اسلاف کی کھلم کھلا بے حرمتی سب و شتم اور تبرا بازی یا معاندانہ سلوک کو گوارا کر سکتے ہیں جنہیں خلفاء راشدینؓ یا صحابہ کرامؓ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

قدوسیوں کی اس جماعت صحابہؓ کی تقدیس اور تعدیل پر ہمارے دین ہمارے افکار و نظریات ہمارے قرآن ہماری سنت اور ہمارے تمام اسلامی نظام کا مدار ہے وہ دین اور شریعت کی اساس ہیں، وہ ہمارے قرآن کی صداقت اور ہمارے پیغمبر کی حقانیت کے گواہ ہیں۔ غیر تو غیر "اپنوں" میں سے بھی اگر کوئی اٹھ کر ان ستونوں کو گراتا ہے۔ ان کی عدالت مجروح کرنے کی مذموم سعی کرتا ہے۔ انکی عظمت اور تقدس کو داغدار کرنا چاہتا ہے تو ہم اسے ملی خودکشی اور اپنے دین اور اپنے پیغمبر اپنی شریعت سے دشمنی ہی سمجھیں گے۔ اور پوری خیر خواہی، اخلاص اور خدا ترسی سے اس ہاتھ اس قلم اور اس زبان کو روکنے کی کوشش کریں گے کہ اگر دین کے یہ اولین محافظ (خاکم بدہن) منافق، سازشی، پالٹیکس، خودغرض یا اقربا پرور اور معاذ اللہ ظالم و جابر تھے تو جو دین اور شریعت اور جو کتاب و سنت ان کے ذریعہ ہم تک پہنچی اور جس پر دین کی عمارت کھڑی ہوئی یہ ساری عمارت اور سارا ڈھانچہ تو خود بخود دھڑام سے گر پڑے گا۔ صحابہ کرام کی تقدس ثقاہت اور تعدیل کا مسئلہ صرف جذبات اور نری عقیدت کا مسئلہ نہیں اور نہ اسے تعصب اور بدخواہی پر محمول کرنا چاہئے یہ پوری شریعت اور پیغمبر اسلام کی صداقت اور حقانیت کا سوال ہے۔ جن لوگوں کی جانفشانی، اخلاص، علو ہمت ایثار و جہاد کی بدولت آج ہم مسلمان ہیں۔ اگر ہم علم و "تحقیق" یا عناد و تعصب کا تیشہ ان ہی پر چلانے لگیں تو اس سے بڑھ کر ناشکری اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں بقول امام شعبیؒ (جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں نقل کیا) "ہم یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر ثابت ہونگے اور یہود و نصاریٰ ہمارے مقابلہ میں زیادہ مرتبہ شناس اور قدردان۔ کہ جب ان لوگوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری ملت میں زیادہ بہتر کون لوگ ہیں۔؟ تو یہود نے کہا حضرت موسیٰؑ کے ساتھی اور عیسائیوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰؑ کے حواری (صحابہؓ) اور ایک ہم ہیں کہ اپنے رسولؐ کے صحابہؓ کو بدترین امت ثابت کرنے لگے ۔۔۔۔۔"

کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ اس طوفان نوحہ و ماتم میں ہمارا پورا گھر (دین و شریعت) تو نہیں ڈوب رہا۔؟ اور ہماری "تحقیق و اکتشاف" کی کلہاڑی سے قصرِ اسلام میں شگاف تو نہیں پڑ رہے۔! ولا فعو اللہ

ذٰلک فاعتبروا یا اولی الابصار۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

سمیع الحق

۱۵ رجمادی الثانی ۱۳۸۶ھ

دارالعلوم حقانیہ کا عظیم الشان علمی، دینی، تبلیغی

جلسۂ دستاربندی

دارالعلوم کا عظیم سالانہ علمی اجتماع جو پچھلے ۵ سال سے بعض ناگزیر وجوہات کی وجہ سے منعقد نہیں ہو سکا اب بفضلہ تعالیٰ پورے ۵ سال کے وقفہ کے بعد بتاریخ ۲-۲ رجب مطابق ۷-۸ اکتوبر ۱۹۶۷ء بروز ہفتہ، اتوار نہایت تزک و احتشام اور روایتی آب و تاب سے منعقد ہو رہا ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ جس میں ملک کے جلیل القدر علماء کرام، مشائخ عظام، بلند پایہ شعراء اور ممتاز زعماء قوم و ملت شریک ہو کر مسلمانوں کو علمی، عملی، اصلاحی، اخلاقی توحید و رسالت، ختم نبوت، حجیت حدیث، استحکام پاکستان اور ملک و ملت کی حقیقی ترقی جیسے موضوعات پر خطاب فرمادیں گے ۔۔۔ دارالعلوم حقانیہ کے اس تاریخی اجتماع میں پچھلے ۵ سال ۱۳۸۱ھ تا ۱۳۸۶ھ کے فارغ التحصیل ہونے والے تین سو فضلاء کی دستاربندی بھی اکابرین ملک و ملت کے ہاتھوں کرائی جائے گی۔ نظام الاوقات وغیرہ کا تفصیلی اعلان اخبارات اور پوسٹروں کے ذریعہ کر دیا جائیگا۔ دارالعلوم کے فضلاء اور علماء حضرات، نیز دارالعلوم کے معاونین کی خدمت میں خصوصاً اور عام مسلمانوں کی خدمت میں عموماً پر زور التماس ہے کہ اس دینی اجتماع میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہو کر کامیاب بنائیں ۔۔۔ نیز دارالعلوم کے فضلاء اور متعلقین اپنے اپنے حلقہ میں جلسہ کی تشہیر فرما کر لوگوں کو جلسہ میں شمولیت کی طرف متوجہ فرمائیں۔ نیز فضلاء دارالعلوم اپنے موجودہ پتوں سے فوری طور پر دفتر دارالعلوم کو مطلع کر دیں تاکہ ان کی خدمت میں جلسہ کا تفصیلی نظام اور دعوت نامہ بھیجا جا سکے۔ دارالعلوم کے جن مخلص معاونین کو دعوتنامہ نہ ملے وہ اسی اعلان کو دعوتنامہ سمجھ کر جلسہ میں شمولیت فرما کر اخوت اسلامی اور جذبۂ دینی کا ثبوت دیں۔

نوٹ:۔ جلسۂ دارالعلوم کو ملک و ملت کے حق میں زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے سلسلہ میں ہم آپکے مشوروں کا خیر مقدم کریں گے۔

شائع کردہ:۔ دفتر اہتمام دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

قسط

مولانا شمس الحق افغانی شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

یہ مقالہ دیہی ترقیاتی اکیڈمی کے سیمینار کے لئے لکھا گیا

دائرۂ تجارت | تجارت کے لئے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ زیادہ سرمایہ ہی سے تجارت شروع کی جائے بلکہ معمولی سرمایہ سے بھی تجارت کی ابتدا کی جاسکتی ہے۔ آج جس قدر بڑے بڑے تاجر نظر آرہے ہیں ان سب نے اپنی تجارت کا آغاز معمولی سرمایہ ہی سے کیا تھا۔ رفتہ رفتہ انہوں نے ترقی کی اور وہ بڑے تاجر بن گئے ۔۔۔

دیہات میں بہت معمولی سرمایہ سے مرغی خانہ کھولا جاسکتا ہے۔ اور اس کے ذریعے گھر بیٹھے کافی آمدنی پیدا کی جاسکتی ہے۔ ریشم کے کیڑوں کی پرورش کی جاسکتی ہے۔ مچھلیوں کے تالاب بنائے جاسکتے ہیں۔ نفع بخش ذریعہ معاش کے لئے ان سب طریقوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ گھریلو صنعتوں مثلاً جراب، سوئٹر، تولئے، کپڑوں پر کشیدہ کاری اور اسی طرح کی دوسری دستکاریوں کو بروئے کار لاکر فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کے کام مردوں کے علاوہ عورتیں اور بچے بھی انجام دے سکتے ہیں اور بیکاری بھی دور ہوسکتی ہے۔ ہمارے ملک میں اکثر اوقات کنبہ میں ایک ہی مرد کماتا ہے اور گھر کے باقی افراد بیکار رہتے ہوئے اسی ایک مرد کی کمائی پر بسر اوقات کرتے ہیں۔ اس کے برعکس دوسرے ممالک میں گھر کا ہر فرد کماتا ہے۔ جسکی وجہ سے ایک خاندان کی کمائی میں بحیثیت مجموعی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور سب لوگ خوشحال زندگی بسر کرتے ہیں بنابریں ترقی کے لئے یہ امر نہایت ضروری ہے۔ کہ ہر فرد کے لئے اس کے مناسب حال کام مہیا کیا جائے جسکی بدولت پورا خاندان اکتساب رزق میں مصروف ہو۔ اس سلسلے میں وقت کے نئے تجربات اور تازہ معلومات سے استفادہ کرنا چاہئے۔ اسی طرح ہماری مادی

ترقی اور خوشحالی میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ اور ہماری آمدنی کا دائرہ وسیع ہو سکتا ہے۔

مالی ترقی کے لئے صرف آمدنی بڑھانا ہی کافی نہیں بلکہ آمد و صرف میں صحیح توازن قائم رکھنا بھی حد درجہ ضروری ہے۔ اسلام اور قرآن نے اس سلسلے میں بھی ہماری رہنمائی کی ہے۔ اور ہمیں واضح ہدایات دی ہیں۔ جن کے ذریعے نہ صرف آمد و صرف میں صحیح توازن قائم ہو سکتا ہے۔ بلکہ ناجائز اور غیر ضروری مصارف کے دروازے بند ہو جانے سے کمائی ہوئی رقم کے پس انداز ہونے میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ آمدنی میں اضافہ سے زیادہ اہم اخراجات کو کم کرنا ہے۔ پہلی چیز یعنی آمدنی میں اضافہ غیر اختیاری فعل ہے۔ مگر دوسری چیز یعنی خرچ میں کمی کرنا یہ اپنے اختیار میں ہے۔ اس لئے ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ اپنے اخراجات کو حتی الامکان گھٹانے کی کوشش کرے۔

شادی کے اخراجات بیجا | اسلام میں بیاہ شادی نہایت سادہ اور کم خرچ معاملہ ہے۔ تاکہ ہر فرد بغیر کسی دقت کے عقد ازدواج کو آسانی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے۔ اسی سادگی کے پیش نظر اسلام نے گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کے الفاظ پر نکاح کا مدار رکھا ہے۔ جس پر کچھ خرچ نہیں آتا۔ البتہ صرف مہر کا بار برداشت کرنا پڑتا ہے۔ جو ائمہ ثلاثہ (امام مالکؒ۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) کے نزدیک صرف تین درہم یعنی پاکستانی سکہ کے حساب سے صرف بارہ آنے ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک دس درہم یعنی تقریباً اڑھائی روپے پاکستانی سے پورا ہو سکتا ہے۔ یہ بھی اس صورت میں جبکہ مہر نقد ادا کرتا ہو۔ ورنہ مہر موجل یعنی میعادی مہر کی صورت میں جب بھی شوہر کو استطاعت حاصل ہو۔ اس وقت یہ رقم ادا کی جا سکتی ہے۔ اس صورت میں ایک مسلمان کے لئے شادی بیاہ کا فوری خرچ زیادہ سے زیادہ ڈھائی روپے میں پورا ہو سکتا ہے۔ اور اگر اتنی رقم بھی فی الحال موجود نہ ہو تب بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ جب یہ رقم حاصل ہو جائے۔ اس وقت ادا کر دے۔

دعوت ولیمہ بھی ایسی ضروری نہیں کہ اس کے بغیر نکاح جائز ہی نہ ہو۔ البتہ اگر مسنون طریقے پر عمل کرنا چاہے۔ تو حسب توفیق چند افراد کو سادہ طریقے پر جو کچھ کھلا سکے وہ کافی ہے۔ کسی قسم کے تکلف کی ضرورت نہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں جو سب سے بڑی دعوت ولیمہ کی وہ صرف ایک بکری کے گوشت کا شوربہ اور روٹی پر مشتمل تھی۔ اس سے زیادہ کچھ تکلف نہ تھا۔ اور حدیث نبوی میں اولم ولو بشاۃ کے ذریعے اسی کی جانب اشارہ بھی ہے۔

اسلامی قانون کو ترک کر کے ہم نے رسم و رواج کی شیطانی راہ اختیار کی اور نام و نمود

ریا، اور شہرت کی غرض سے بیاہ شادی کے اخراجات کو وسیع کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ زیورات ملبوسات، دیگر سازو سامان اور شاہانہ دعوت ولیمہ کے مسرفانہ اخراجات کو لازم سمجھ لیا۔ جس کی وجہ سے صرف ایک شادی کے لوازمات پورا کرنے پر عمر بھر کی کمائی خرچ کر ڈالتے ہیں۔ اور بعض اوقات زمینیں تک رہن رکھ دیتے ہیں۔ اور سودی یا غیر سودی قرض برداشت کرکے اس شیطانی خرچ کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور پھر شادی کے بعد برسوں تک اس قرض کی ادائیگی وبال جان بنی رہتی ہے۔ ان وسیع اخراجات کے لئے رقم کی فراہمی اور پھر اس رقم کی ادائیگی کے بھیانک تصور ہی سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور نکاح کا سادہ اور بے خرچ معاملہ ایک وبالِ جان نظر آتا ہے۔ اور اسی کی وجہ سے بہت سے نوجوان مرد اور عورتیں عرصۂ دراز تک تجرّد کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جسکی وجہ سے معاشرے میں بے شمار اخلاقی اور سماجی برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور ننگ و ناموس اور عصمت تک خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ عورت جب بالغ ہو جائے، تو بلا تاخیر اس کا نکاح کر دیا جائے۔ تاکہ کسی قسم کے بُرے نتائج پیدا نہ ہونے پائیں۔ لیکن شیطانی اخراجات کا بار اس مقدس اور پُر حکمت حکم کی تعمیل کی راہ میں حائل ہو کر طرح طرح کے مفاسد کا سبب بنتا ہے جسکی وجہ سے ہماری دنیا اور دین دونوں برباد ہو جاتے ہیں۔ مگر ہم کو ذرا بھی احساس نہیں ہو پاتا۔ اور عقل و شعور کے باوجود ہم اپنے معاشرے سے اس ناسور کو دور کرنے پر قدرت نہیں رکھتے۔ کیا اس سے زیادہ افسوسناک کوئی حرکت ہو سکتی ہے؟

تعیش کا سامان | اسلام نے اسراف کو حرام ٹھہرا کر ہر قسم کے سامانِ تعیش پر پابندی عائد کر دی۔ تاکہ مسلمانوں کا سرمایہ غیر مفید مصرف سے محفوظ رہ سکے۔ آج کل ہماری زندگی کے ہر شعبے میں ایسے اخراجات کی کثرت نظر آتی ہے، جو عیاشی کی فہرست میں شامل ہیں۔ ان کا تعلق خوراک، پوشاک، اور ملبوسات سے ہو یا ظروف اور خانگی سامان سے۔ آرائش و زیبائش کی بہت سی غیر ضروری اشیاء کی خریداری کا مقصد دوسروں کے سامنے اپنی عزت، تفوق اور برتری کا اظہار ہوتا ہے۔ دولت کا خاصا حصہ مختلف قسم کی منشیات و مسکرات اور سینما بینی میں صرف کر دیا جاتا ہے۔ اشیائے ضروریہ خریدتے وقت ایک کی جگہ دس چیزیں خرید لیتے ہیں۔ اور اسطرح سرمایہ ضائع کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین وکان الشیطٰن لربہ کفورا۔ صرف بیجا کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ اور شیطان خدائی نعمتوں کی بیقدری کرنے والا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی: البذاذۃ من الایمان۔ سادہ زندگی گزارنا ایمان کی

نشانی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ کی زندگی مسلمانوں کے لئے نمونۂ عمل ہے۔ اس سے بہتر نمونہ ممکن نہیں۔ اور اسی سادہ طرزِ زندگی سے خوشحالی پیدا ہوتی ہے۔ آج اگر ہم اپنی ضروریات کا اسلامی معیار کے تحت جائزہ لیں۔ تو ہماری بیشتر اشیاء جن پر ہم نے اپنا سرمایہ صرف کیا ہے۔ ضرورت سے زائد ثابت ہوں گی۔ بقول صائبؔ ؎

نفس قانع نیست صائبؔ ورنہ اسباب جہاں آنچہ ما درکار داریم اکثرے درکار نیست

ہم قلیل آمدنی کے باوجود اسلامی طرزِ عمل کو چھوڑ کر یورپ کی نقل اتارتے ہیں۔ جن کے شیطانی اخراجات نے انسانیت کو جہنم کے کنارے لا کھڑا کیا ہے۔ امریکہ شراب نوشی پر سالانہ نو ارب پندرہ کروڑ ڈالر خرچ کرتا ہے۔ یورپی دنیا جوئے بازی پر سالانہ ایک سو تیس ارب کی رقم اور سگریٹ نوشی پر ہر سال پچاس ارب باون کروڑ کی رقم خرچ کرتی ہے۔ انگلستان عورتوں کے عطریات پر سالانہ چھ کروڑ اٹھارہ لاکھ پونڈ صرف کرتا ہے۔ برطانیہ کا سالانہ تفریحی خرچ ایک ارب باون کروڑ پونڈ ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی یہ وہ خرابیاں ہیں۔ جو انسان کو عقل و خرد سے بیگانہ کر دینے کا موجب بنتی ہیں۔ اُسے دوسروں کی تکالیف کا احساس بھی نہیں ہو پاتا۔ حالانکہ دنیا کی آبادی کا نصف حصہ فاقہ کشی اور امراض و بیماریوں کا شکار ہے۔ اور اقوامِ متحدہ کی رپورٹ مندرجہ انجام ۱۱ رمئی ۱۹۵۳ء کے مطابق دنیا کی یہ نصف آبادی مختلف قسم کی پریشانیوں میں مبتلا ہے۔ لیکن اس مشاہدے اور حقیقت سے باخبر ہونے کے باوجود ہم اسلام کے سادہ طرزِ زندگی کو چھوڑ کر یورپی تہذیب کی اس شیطانی روش کو اپنانے کی کوشش میں سب دروز مصروف ہیں۔

ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ محنت اور مشقت کے ساتھ معاشی ضروریات کے لئے سرمایہ جمع کرنے کے بعد اس کو صرف کرتے وقت اس امر کا جائزہ لینا نہایت ضروری ہے۔ کہ وہ غیر ضروری امور میں خرچ نہ ہونے پائے ورنہ وہی سرمایہ جسے نہایت محنت و مشقت سے اکٹھا کیا ہے۔ ضروری امور کی انجام دہی کے لئے بھی باقی نہیں بچے گا۔ مسلمانوں میں عموماً اور خاص طور پر دیہات کے باشندوں میں یہ مرض بری طرح پھیلا ہوا ہے۔ کہ وہ اپنے عزیز سرمایہ کو آپس کی خانہ جنگیوں، رقابتوں اور طرح طرح کی مقدمہ بازی میں صرف کر ڈالتے ہیں۔ اور اس مسلسل کشمکش باہمی کی وجہ ان کو دین و دنیا کا خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اسی باہمی عداوت اور غیر ضروری مصروفیت کے باعث کسبِ معاش کے لئے بھی وقت نہیں نکال سکتے۔ اس لئے کہ کسبِ معاش کے لئے پُرامن اور بے خوف و خطر زندگی کی ضرورت ہوتی ہے جس سے وہ یکسر محروم رہتے ہیں۔ بنا بریں

اگر وہ کسی وقت آسودہ حال ہو بھی جاتے ہیں۔ تو پھر جلد ہی کسی دوسرے فوجداری یا دیوانی مقدمہ میں پھنس کر غریب اور قلاش ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا ہمیں ان اسباب پر غور کرنا چاہیے۔ جن کے نتیجے میں مقدمہ بازی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور تباہی اور بربادی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے —— ان اسباب میں سے بنیادی سبب یہ ہے۔ کہ ہم مسلمان اسلامی تعلیم کی روح سے ناواقف ہیں۔ اور اس پر عمل کرنے سے غفلت برتتے ہیں۔ ورنہ ہم اس حالت کو قطعاً نہ پہنچتے۔ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اسلام کی اجمالی روح امن وسلامتی میں ہے۔ اسی لئے ہمارا دین ایمان کے نام سے بھی پہچانا جاتا ہے۔ اور اسلام کے نام سے بھی معروف ہے ایمان اصل میں امن سے ماخوذ ہے۔ اور اسلام سلامتی سے گویا دین الٰہی ایک مرد مومن ومسلم میں سب سے پہلے امن اور سلامتی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ کہ اس کی زبان، ہاتھ، پاؤں اور دیگر قوتوں سے کسی مسلمان کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچے۔ اور پوری اسلامی دنیا بالخصوص اپنے ہم وطن، ہم قوم اور اپنی بستی والے اس سے پوری طرح امن وسلامتی میں رہیں۔

اسلامی زندگی | نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی زندگی کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ مسلمان وہ ہے جسکی زبان اور ہاتھ کے ضرر سے تمام مسلمان محفوظ ہوں۔ دوسری حدیث میں ہے: المؤمن من امنہ الناس علی اموالھم ودمائھم و اعراضھم۔ مومن وہ ہے جس کو سارے لوگ اپنے مال، جان اور عزت میں امانتدار سمجھیں صحیح مسلم کی حدیث ہے: الدین النصیحۃ للہ ولرسولہ ولکتابہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم۔ دین اسلام نام ہے پانچ چیزوں کی ہمدردی اور خیر خواہی کا۔ اللہ، رسول، قرآن، مسلمان امیر اور عام مسلمان۔ ان دو حدیثوں ہی پر اگر مسلمان عمل کرنے لگ جائیں۔ تو وہ دنیا میں ایسی منظم اور متحد ومتفق قوم بن جائیں گے۔ جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار، کہ کوئی دشمن ان میں رخنہ ڈالنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔

ان احادیث نبوی پر ایک حد تک غیر مسلم اقوام تو عمل کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ لیکن خود مسلمان ان سے روگرداں ہیں۔ اور نور نبوت کی اس روشنی سے یکسر محروم۔ بقول اقبال مرحوم ؎

کافروں کی مسلم آئینی کا بھی نظارہ کر — اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ

اور اسی وجہ سے دنیا میں مسلمانوں کی کوئی مستحکم حکومت نظر نہیں آتی۔ چند حکومتیں اور سلطنتیں ہیں بھی تو وہ دشمنان اسلام مسیحی اقوام کے رحم وکرم پر ہیں۔ وہ جب چاہیں مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر اپنے منشاء کے مطابق ان کی سلطنت میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ حال ہی میں انڈونیشیا کے مسلمانوں کو آپس کی

خانہ جنگی میں اُبھاکران کی مضبوط حکومت کے قدم اکھاڑ دیئے۔ اور سلطنت ڈانواں ڈول کر ڈالی۔ اس کے باعث بے انتہا مالی نقصان کے علاوہ دس لاکھ مسلمان قتل ہو گئے۔ اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ دیکھئے کب ختم ہو۔ یہی حال عراق، مصر، شام اور دیگر اسلامی ممالک کا ہے۔ اس پر مستزاد مسلمانوں کی مسلم دشمنی جس کا سلسلہ ایک عرصے سے جاری ہے۔ اب تک ان کی اصلاح کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ ان کی اس بے اتفاقی کو دیکھ کر سید جمال الدین افغانی نے قاہرہ میں یہ پر معنی جملہ ارشاد فرمایا تھا: اتفق المسلمون علیٰ ان لایتفقوا۔ کہ مسلمان دنیا میں صرف ایک چیز پر متفق ہیں۔ وہ یہ کہ وہ متفق نہ ہوں گے۔ یعنی متفق نہ ہونے پر ان کا اتفاق ہے۔ اور کسی چیز پر ان کا اتفاق نہیں۔

اسلام کی تفصیلی ہدایات ہماری آپس کی عداوت اور مقدمہ بازی کا سب سے بڑا سبب قتل و خون ریزی کی عادت ہے جس کی وجہ سے ہم مفلوک الحالی کا شکار ہیں۔ اور ہر وقت ایک دوسرے کے درپے آزار رہتے ہیں جس سے ہمارا دین اور دنیا دونوں برباد ہو جاتے ہیں۔ مگر ہم مسلم کشی کو اپنی بہادری اور کمال سمجھتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات اس پر فخر کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جھنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا الیما۔ جو شخص جان بوجھ کر مسلمان کو قصداً قتل کر دے اسکی سزا جہنم ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہو گی۔ اور اللہ نے اس کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔ دوسری آیت میں ہے: ومن قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ومن احیاھا فکانما احیی الناس جمیعا۔ (المائدہ) جو شخص کسی کو قتل کرنے اور فساد کرنے کے بغیر جان سے مار ڈالے تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا۔ اور جو کسی مسلمان کی جان بچائے۔ تو اس نے تمام مسلمانوں کی جان بچائی ——— اس آیت سے معلوم ہوا کہ قتل محض شخصی جرم نہیں۔ بلکہ ملی اور جماعتی جرم ہے جس سے پوری اسلامی ملت اور جماعت کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ اس لئے پوری جماعت کا فرض ہے۔ کہ قتل کو روکنے اور قاتل کو اس قابلِ نفرت کردار کی وجہ سے سزا دینے کی کوشش کرے تاکہ اسلامی معاشرہ قتل و خون ریزی کی لعنت سے محفوظ رہ سکے۔ جرم قتل ایک متعدی مرض ہے۔ اگر اس کو بروقت نہ روکا گیا۔ تو یہ مرض پوری سوسائٹی میں پھیل جانے کا اور ملت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دے گا۔ اسلام کی نظر میں محض قتل ہی ایک جرم عظیم نہیں۔ بلکہ ترغیب قتل اور اس کے لئے سازش و مشورہ بھی ایک عظیم گناہ ہے۔ مسند احمد کی حدیث ہے: عن رجل من الصحابۃ سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن القاتل والآمر فقال قسمت النار سبعین

جزأ فللآمر تسع وستون وللقاتل جزأ۔ ایک صحابی حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ سے قاتل اور قتل کا مشورہ دینے والے کے متعلق سوال ہوا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ قتل کی سزا دوزخ کے ستر حصے ہیں۔ انہتر حصے مشورہ دینے والے کے لئے اور ایک حصہ قتل کرنے والے کے لئے ہے۔ ایک دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ و ابوسعیدؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ اگر ایک مسلمان کے قتل میں بالفرض آسمان اور زمین کے رہنے والے سب کے سب شریک ہوں۔ تو خدا سب کو دوزخ میں ڈال دے گا۔ (ترمذی) حدیث کے الفاظ مبارک یہ ہیں: عن ابی ھریرۃ وابی سعید۔ لو ان اھل السماء والارض اشترکوا فی دم مومن لاکبھم اللہ فی النار۔ خودکشی کرنے والے کو دوسرے کو قتل کرنے والے شخص سے بھی زیادہ مجرم قرار دیا گیا۔ بخاری وغیرہ میں ہے: عن ابی ھریرۃ مرفوعاً من تردی من جبل فقتل نفسہ فھو فی نار جھنم یتردی فیھا خالداً مخلداً فیھا ابداً۔ ومن تحسی سما فقتل نفسہ فسمہ فی یدہ یتحساہ فی نار جھنم خالداً مخلداً۔ ومن قتل نفسا بحدیدۃ فحدیدتہ فی یدہ فی النار یتوجا بھا فی بطنہ فی نار جھنم خالداً مخلداً فیھا ابداً للستۃ الا مالکا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے جو شخص اپنے آپ کو اوپر سے گرا کر خودکشی کرے تو اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور اسی طرح ہمیشہ کے لئے وہ خود کو اس میں گراتا رہے گا۔ اسی طرح جو شخص زہر کھا کر خودکشی کرے جہنم میں بھی ہمیشہ ایسا ہی کرتا رہے گا۔ اور جو شخص کسی خنجر وغیرہ سے خودکشی کرے، تو وہ بھی جہنم میں ہمیشہ ایسا ہی کرتا رہے گا۔ اس حدیث سے خودکشی کی تمام شکلیں گناہ قرار پاتی ہیں۔ اور دوسرے کو قتل کرنے سے اپنے آپ کو قتل کر دینا زیادہ گناہ ہے۔ خواہ کسی آلہ کے ذریعہ خودکشی کی جائے یا بھوک ہڑتال وغیرہ کے ذریعہ۔ اس کا سبب یہ ہے۔ کہ ہمارا وجود خالق کائنات کی ملکیت ہے۔ جو ہمیں امانتاً عطا ہوا ہے۔ اور رزقِ حلال کے ذریعہ اسے قائم رکھ کر اس سے عبادتِ الٰہی کا سرکاری کام لینا ہے۔ جو ہماری حیاتِ ابدی اور مسرت کا واحد ذریعہ ہے۔ اگر ہم نے خودکشی کے ذریعے اس کو ختم کر دیا تو اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے کسی شخص کو سرکاری مشین سرکاری کاموں کے لئے دی جائے کہ اس کو درست حالت میں رکھ کر سرکاری کاموں میں استعمال کیا جائے۔ مگر وہ اس سے صحیح کام لینے کی بجائے اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دے۔ ایسی صورت میں اس پر فرد جرم عائد کر دیا جائے گا۔ یہی معاملہ خودکشی کرنے والے کا ہے۔ کہ اس نے اپنے وجود کی سرکاری مشین کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ اس لئے قہرِ الٰہی کا مستحق ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو قتلِ نفس اور قتلِ غیر کی عظیم معصیت سے نجات دے تاکہ ان کی دنیا اور عاقبت برباد نہ ہو۔

باہمی قتل وقتال نے مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر ڈالا ہے۔

اسبابِ قتل | قتل کا سبب اصلی غضب ہے اور اسکی وجہ حسب ذیل امور ہیں۔

۱۔ ظلم مالی ۲۔ ظلم جاہی ۳۔ سوء ظن یعنی بدگمانی، غیبت، تکبر، چغلی، غصہ اور کذب۔ یہ امور نہ صرف قتل وقتال کا سبب بنتے ہیں، بلکہ مقدمہ بازی بھی انہی وجوہ سے ہوتی ہے۔ اسی لئے اسلام نے مسلمانوں کی وحدت، اتفاق، باہمی محبت اور تنظیم ملت کے استحکام کے لئے مسلمانوں کو باہمی منازعات اور مخاصمات کے تمام دروازے بند کر دینے پر زور دیا۔ تاکہ امن وسکون بحال ہو۔ اور وحدت ملت برقرار رہے۔ اور ملت اسلامیہ کے افراد تزکیہ نفس اور اپنی شخصیت کی تعمیر کر سکیں۔

ظلم مالی | قرآن کا ارشاد ہے، ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بہا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون۔ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ۔ اور ان کے جھوٹے مقدموں کو حاکموں کے پاس اس غرض سے مت لے جاؤ کہ اس کے ذریعے لوگوں کے مال کا ایک حصہ بطریق گناہ اور ظلم کے کھا جاؤ۔ اور تم کو اپنے جھوٹ اور ظلم کا علم بھی ہو۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے: یغفر للشہید الا الدین۔ شہید کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ قرض اور دوسرے کے حق کے ماسوا کہ وہ معاف نہیں ہوتا۔ بخاری میں ابن عمر سے حضور علیہ السلام کی حدیث منقول ہے۔ جو شخص کسی کی زمین بقدر ایک بالشت کے چھین لے، ساتویں زمین تک اس کو دھنسایا جائے گا۔ کل المسلم علی المسلم حرام دمہ وعرضہ ومالہ (بخاری عن ابی ہریرہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ کہ مسلمان کی سب چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں۔ اس کا خون، اس کی عزت وآبرو اور اس کا مال۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں۔ اللہ اس شخص کو اپنی رحمت سے محروم کر دے جو رشوت دے۔ یا رشوت لے یا رشوت کی دلالی کرے۔ لعن اللہ الراشی والمرتشی والرائش الذی یمشی بینہما۔ اس حدیث کو مسند احمد میں ثوبان سے نقل کیا گیا ہے۔ نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یقیناً قبول ہوگی۔ مگر تین قسم کے لوگوں کے لئے حضور علیہ السلام نے بد دعا فرمائی اور رحمت خداوندی سے دوری کے لئے حضورؐ کی بد دعا سے بڑھ کر اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالےٰ ان دونوں سے محفوظ رکھے۔ جامع صغیر میں حاکم سے حدیث نقل کی گئی ہے: لعن اللہ من غیر منار الارض او غصبہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بد دعا دیتے ہیں کہ اللہ اس شخص کو اپنی رحمت سے محروم کر کے لعنت میں گرفتار کرے۔ جو زمین کی حد بندی توڑ دے یا پرائی زمین غصب کرے۔

ظلم جاہلی | ایسے ظلم کے متعلق جس میں مسلمان کی ہتک عزت اور آبرو ریزی اور توہین ہو قرآن حکیم کا ارشاد ہے: یا ایھا الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیراً منھم ولا نساء من نساء عسیٰ ان یکن خیراً منھن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولئک ھم الظالمون۔ اے ایمان والو! لوگ ایک دوسرے سے تمسخر نہ کریں شاید وہ بہتر ہوں ان سے۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے شاید وہ بہتر ہوں ان سے۔ اور عیب نہ لگاؤ ایک دوسرے کو اور نام نہ ڈالو چڑانے کو ایک دوسرے کو برا نام ہے گنہگاری مومن ہونے کے بعد اور جو کوئی توبہ نہ کرے وہی ہے بے انصاف ہے۔

ایک قوم کے افراد میں باہمی فساد اور منازعت ابتداً چھوٹی باتوں سے شروع ہوتی ہے۔ قرآن نے ان چھوٹی باتوں سے منع فرما کر اس دروازے ہی کو بند کر دیا۔ تاکہ مسلم معاشرے کی شیرازہ بندی ہو سکے اور آپس کے ذاتی جھگڑوں کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔ اگر مسلمان اسی ایک مذکورہ آیت پر عمل کرنے لگ جائیں۔ تو ان کے باہمی فساد اور خانہ جنگیاں بہت حد تک کم ہو سکتی ہیں۔ خدا سے بڑھ کر مہربان اور ہمدرد اور کون ہو سکتا ہے۔ اس نے ہمارے فائدے کے لئے وہ تمام باتیں بتلا دیں جو اس باہمی خانہ جنگی کے ختم کرنے میں موثر ثابت ہو سکتی ہیں۔ اور جن کی نظیر مذاہب عالم پیش کرنے سے قاصر ہیں ــــ مرض دور کرنے کے لئے اس دوا کے مجرب ہونے میں کوئی شک نہیں۔ مگر اس کا استعمال تندرستی کے لئے شرط اول ہے۔ استعمال کے بغیر کسی دوا سے فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح کسی مسلمان کو گالی دینا عظیم گناہ ہے۔ حدیث بخاری میں حضرت ابن مسعودؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں: سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر۔ مسلمان کو گالی دینا بڑا گناہ اور اس سے لڑنا کافروں کا کام ہے۔

ترمذی میں حضرت مغیرہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں۔ لا تسبوا الاموات فتوذوا الاحیاء یعنی تم کسی کے فوت شدہ آباؤ اجداد کو گالی مت دو کہ اس سے اس کے زندہ رشتہ داروں کو تکلیف ہوگی۔ یعنی اگرچہ ان کے مردہ اعزہ مسلمان نہ ہوں۔ جیسے اوائل اسلام میں اکثر ایسا تھا۔ گالی گلوچ کی قبیح عادت دور کرنے کے لئے اسلام نے بے جان چیزوں کو بھی گالی دینا گناہ قرار دیا ہے۔ طبرانی کے معجم اوسط میں حضرت جابرؓ نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد نقل کرتے ہیں: لا تسبوا اللیل والنھار ولا الشمس ولا القمر ولا الریح فانھا رحمۃ لقوم وعذاب لآخرین۔ رات، دن، آفتاب، ماہتاب اور ہوا کو گالی نہ دو۔ یہ چیزیں بعض کے لئے رحمت اور بعض کے لئے عذاب

ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن حکیم نے کفار کے بتوں کو بھی گالی دینے سے منع فرمایا۔ ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدواً بغیر علم۔ تم کفار کے بتوں کو گالی یا بُرا بھلا مت کہو ورنہ وہ اللہ کو بغیر علم کے برا بھلا کہنے لگیں گے۔ بخاری میں ابوہریرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں: یسب ابن آدم الدھر وانا الدھر اقلب لیلہ ونھارہ۔ انسان زمانے کو گالی دیتا ہے۔ اور میں زمانہ کو چلانے والا ہوں۔ اسکی رات اور دن کو بلٹتا ہوں جس مذہب اسلام کی یہ ہدایات ہیں، آج اس مذہب کے ماننے والوں کا یہ حال ہے کہ دنیا کی تمام اقوام سے زیادہ گالی بکنے والے وہی ہیں۔ اور اسی کی وجہ سے روزانہ ان میں فسادات برپا ہوتے ہیں۔

سوء ظن یعنی بدگمانی وغیبت | قرآن حکیم کا ارشاد ہے: یا ایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتاً فکرھتموہ واتقوا اللہ ان اللہ تواب رحیم۔ یعنی اے ایمان والو! بچتے رہو بہت تہمتیں لگانے سے کیونکہ بعض تہمتیں گناہ ہیں۔ اور بھید مت ٹٹولو۔ اور برا نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو۔ بھلا خوش لگتا تم میں سے کسی کو کہ کھائے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو۔ سو تم برا جانو گے اس کو اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ بیشک اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

مسلمانوں کے باہمی فسادات کا ایک بہت بڑا سبب بدگمانی اور تہمت تراشی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت فرمائی۔ ابوہریرۃؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک جامع حدیث نقل کی ہے۔ جو اصلاحِ معاشرہ کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ کتب صحاح ستہ میں ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے: ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تجسسوا ولا تنافسوا ولا تحاسدوا۔ ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخواناً کما امرکم اللہ المسلم اخو المسلم کل المسلم علی المسلم حرام دمہ وعرضہ ومالہ ان اللہ لاینظر الی اجسادکم ولا الی صورکم واعمالکم ولکن ینظر الی قلوبکم۔ ترجمہ یہ ہے — تم بدگمانی سے بچتے رہو۔ بدگمانی بہت جھوٹی بات ہے۔ اور کسی کی شرمگاہ پر نظر نہ ڈالو۔ اور کسی کا بھید مت ٹٹولو اور کسی مسلمان کا مقابلہ مت کرو۔ اور آپس میں حسد اور بغض نہ رکھو۔ اور مسلمان سے روگردانی مت کرو۔ اور اللہ کے بندے ہو کر آپس میں بھائیوں کی طرح رہو، جیسے اللہ کا حکم ہو۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔ اللہ تمہاری ظاہری صورت اور جسم اور اعمال کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

تکبر، چغلی اور کذب | آپس کے تمام جھگڑوں کی جڑ تکبر، چغلی اور جھوٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان تینوں چیزوں سے منع فرمایا۔ قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے: واللہ لا یحب کل مختال فخور۔ اللہ کو وہ شخص ناپسند ہے جو دل میں اپنے کو دوسرے مسلمان سے اونچا سمجھے یا زبان سے اس پر بڑائی جتلائے۔ صحیح مسلم میں ابن مسعودؓ سے حدیث نقل کی گئی ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: لایدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من کبر۔ وہ شخص عذاب کے بغیر جنت میں نہیں جا سکتا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو۔ صحیح مسلم ہی کی ایک حدیث ہے۔ لایدخل الجنۃ قتات۔ بلا عذاب، بدوزخ، جنت میں نہیں جائے گا۔ وہ شخص جو چغلی کرتا ہو۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے: لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ جو شخص جھوٹ بولے اس پر اللہ کی لعنت ہے۔

روحانی ترقی | ہر فعل و عمل کا اصلی محرک اور سرچشمہ روح ہے۔ اگر روح ترقی یافتہ ہو، تو اعمال میں قوت پیدا ہوگی، ورنہ اس میں ضعف پیدا رہے گا۔ اسلام نے روحانی ترقی کے لئے تین سلسلے قائم کئے ہیں۔ ۱۔ عقائد ۲۔ اخلاق ۳۔ عبادات ــــ عقائد کی بدولت روح کا ربط ذات رب العالمین سے مضبوط ہو جاتا ہے۔ جو تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ اور اس کے بعد وہ کسی مخلوق کے دباؤ میں آکر نہ تو مرعوب ہوتا ہے۔ اور نہ کسی دشمن کی کثرت اسے خوف میں مبتلا کر سکتی ہے۔ اور نہ کوئی اس کو اس کے مقصد سے ہٹا سکتا ہے۔ اسکی وجہ سے اس کے ارادہ اور عزم میں پوری پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔

اخلاق سے روح میں استقامت اور اعمال میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بڑے سے بڑا دشمن بھی اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود ایک پختہ سیرت اور صاحب کردار و صاحبِ اخلاق قوم میں کوئی رخنہ نہیں ڈال سکتا۔ اور اسکی صفوں میں انتشار پیدا نہیں کر سکتا۔

عبادات کا تسلسل، عقائد اور اخلاقی قوت کی بقاء اور استحکام کا سامان ہے۔ جب عبادات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ تو قوم کی اعتقادی اور اخلاقی قوت میں کمزوری پیدا نہیں ہونے پاتی۔ اور نہ کوئی دشمن ایسی قوم کی وحدت میں رخنہ ڈال سکتی ہے۔ ان تینوں امور سے فرد کی تعمیر ہوتی اور ملت کی تنظیم مضبوط ہو جاتی ہے۔ دنیا چونکہ عالمِ اسباب ہے۔ اس لئے فاعلی قوت کی تکمیل کے بعد آلاتی قوت کی ضرورت پڑتی ہے۔ قرآن حکیم نے حکم دیا: واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم۔ یعنی جس حد تک تمہارے بس میں ہو۔ پوری قوت اور پلے ہوئے گھوڑے فراہم کرو۔ جس سے تم اپنے اور اللہ کے تمام دشمنوں کو مرعوب کر سکو۔ اس آیت میں ایک عالمگیر لفظ قوت کا استعمال کیا گیا ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ مسلمانوں پر اپنی استطاعت کے دائرے

میں ان تمام آلات اور اسباب کی فراہمی فرض ہے، جس سے وہ دشمن پر غالب آسکتے ہوں۔ اور اس کو مرعوب کر سکتے ہوں۔ اس میں آلاتِ حرب، اسباب زراعت، سامانِ صحت، ذرائع مواصلات کی اتنی مقدار میں تیاری فرض ہوگی۔ جو تمام دشمنوں کو مرعوب کر سکے۔ آلاتِ حرب میں بندوق سے لیکر ہائیڈروجن بم تک اور بری، بحری اور ہوائی بیڑے کے تمام وسائل داخل ہیں۔ اگر اس میں ہم نے معمولی سی کوتاہی بھی کی۔ تو یہ از روئے قرآن جرم اور حکم الٰہی کی نافرمانی ہوگی۔ یہ حکم چودہ سو برس سے قرآن حکیم میں مذکور ہے۔ ہم نے تو اس پر عمل نہیں کیا، مگر مسیحی اقوام نے جن کی انجیل میں یہ تحریر تھا۔ کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے۔ تو دوسرا گال بھی اس کے آگے کر دو۔ اور کوئی تم سے کرتا چھینے، تو تم چوغا بھی دے دو۔ اس قوم نے اپنے مذہب کو ترک کر کے قرآنی ہدایات پر عمل کیا۔ اور آلاتِ حرب اور سامان قوت میں اتنی ترقی کی کہ اب وہی اقوام ترقی یافتہ شمار ہوتی ہیں۔

ترقی سے ہماری محرومی اور ہمارا یہ زوال ترکِ اسلام کا نتیجہ ہے۔ ورنہ اسلام اور ترقی تو لازم و ملزوم ہیں۔ جیسے آگ اور گرمی کا وجود۔ وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔ تم سب قوموں پر غالب رہوگے۔ اگر کامل مومن رہوگے۔ اسلام کی گذشتہ تاریخ قرآن کے اس فرمان کی صداقت کی دلیل ہے۔ کہ مسلمانوں کی مختلف اقوام سے ٹکر ہوئی۔ اور مسلمان سامانِ حرب اور تعداد میں ان سے کم ہونے کے باوجود ہمیشہ فتح پاتے رہے۔ اس آیت کے مطابق تمام مسلمانوں کا فرض ہے۔ کہ وہ تمام جدید آلات میں اتنی ترقی کریں۔ کہ اگر مسیحی اقوام سے سبقت نہ لے جاسکیں۔ تو کم از کم ان کے مساوی ضرور ہوں۔ اور عالمِ اسلام اس کے لئے اپنی پوری قوت استعمال کرے۔

نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نہیں دیا۔ کہ جتنی طاقت ہو اتنی نماز پڑھو یا روزے رکھو، حج کرو یا زکوٰۃ دو۔ سو رکعات نماز پڑھنے کی طاقت ہو۔ تب بھی پانچ وقت میں اللہ تعالیٰ نے سترہ رکعات نماز فرض قرار دیں۔ سال بھر میں روزہ صرف ایک مہینہ اور زکوٰۃ ڈھائی فیصد اور عمر بھر میں ایک مرتبہ حج فرض کیا۔ بقدر طاقت فرض نہیں کیا۔ لیکن سامانِ جنگ اور اسباب ترقی دنیوی کے متعلق فرضیت کا جو حکم دیا گیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے استطاعت کا لفظ استعمال فرمایا جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر مسلم قوم یا حکومت دس لاکھ ہوائی جہاز یا ایٹم بم یا دوسرا اسلحہ بنانے کی طاقت رکھتے ہوئے اس میں کمی کریں تو حکم الٰہی کی ترک کی وجہ سے سب گنہگار اور مجرم قرار پائیں گے۔ یورپ کے پاس دو چیزیں ہیں، ایک اسلامی یعنی اسباب ترقی مادی اور دوسری یورپی تہذیب پہلی چیز صنعت کاری ہے۔ دوسری گنہگاری۔ ہم نے اپنی حماقت کا ثبوت دیکر دوسری چیز کو اختیار کیا۔ صنعتکاری (جو درحقیقت ہماری ہی چیز ہے) میں تو ان کی پیروی نہیں کی مگر دوسری چیز یعنی شیطانی تہذیب کو ہم نے اپنے سر آنکھوں پر رکھ لیا ۔۔۔۔۔

از ارشادات حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی مدظلہ کراچی

دین اور تجدّد کی کشمکش

راولپنڈی میں ایک معزز زیشان کی طرف سے حضرت مولانا کے اعزاز میں دی گئی پر جوش استقبالیہ میں مولانا مدظلہ نے ۲۰ رجون ۱۹۶۷ء کو پریس کلب راولپنڈی میں جو تقریر ارشاد فرمائی اس کے اہم حصے یہاں پیش کئے جا رہے ہیں۔

ادارہ

علماء حق کا فریضہ

خطبۂ مسنونہ کے بعد حضرت مولانا نے معزز حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :-

حضرات ! آپ نے جس محبت اور گرم جوشی سے مجھے استقبالیے کی دعوت دی، میرے دل میں اس کی بہت زیادہ قدر و منزلت ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ کسی عالم سے محبت کرنا اس کے گوشت پوست اور جسم و قالب سے محبت نہیں بلکہ اس مقصد سے محبت کا اظہار ہے جو اس عالم کی ذات سے وابستہ ہے۔ اس لئے میں اگر یہ کہوں تو کچھ بے جا نہ ہوگا کہ اس طرح آپ نے دین اسلام، ایمانی جذبے کی تعظیم و تکریم کی ہے۔ جس کو جتنا ہی سراہا جائے اتنا ہی کم ہے۔

حسن اتفاق سے آج تاریخ اسلام کا وہ اہم دن ہے جس میں سرور دو عالم اس دنیا میں تشریف لائے۔ چونکہ آج یہاں ہمارے جمع ہونے کا مقصد اللہ کے دین کے غلبے کے متعلق غور و فکر کرنا ہے۔ اس لئے اس اہم کام کے لئے آج کا دن نہایت موزوں ہے۔

جہاں تک میری نظر بندی کا تعلق ہے جس سے رہائی کی بنا پر آپ نے مجھے یہ استقبالیہ

دیا ہے۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ یہ علماء کے سر کا تاج اور ان کی زینت کا باعث ہے۔ علماء کی تاریخ تو یہ بتاتی ہے۔ کہ انہوں نے ہمیشہ حق وصداقت کے اعلان کے لئے تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ ان سے نہ صرف ان کے مقام کو رفعت اور بلندی نصیب ہوئی ہے۔ بلکہ دین کی عزت اور وقار میں بھی پہلے سے زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ اس نظر بندی کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں حضرت یوسفؑ، دیگر انبیائے کرام اور اکابرین امت کی سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے۔ کہ جب قوم غفلت کی نیند سو جاتی ہے تو فطرت کی طرف سے اُسے جگانے کے لئے کوئی ایسی تکلیف آتی ہے۔ جس سے قوم کے مردہ اور سرد جذبات میں زندگی اور حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ امتداد وقت اور دوسرے حالات نے جن نقوش کو دھندلا دیا تھا۔ وہ از سر نو ابھر آتے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس واقعے کے بعد پورے ملک میں لوگوں میں اسلامی جذبہ زیادہ بیدار ہو چکا ہے۔۔۔۔۔۔

ہم سے پوچھا جاتا ہے کہ نظر بندی کی اصل وجہ کیا تھی ؟ اسمبلیوں کے اندر تو یہ کہہ دیا گیا۔ کہ اس کا بتانا مفاد عامہ کے خلاف ہے۔ لیکن یہ ایک عجیب مفاد عامہ تھا۔ جبکہ ہر شخص اس گرفتاری کے پس منظر سے واقف تھا۔ ہمیں روز اول سے معلوم تھا کہ یہ راستہ آسان نہیں۔ بلکہ کانٹوں سے معمور ہے۔ علماء اللہ کے رسولؐ کے جانشین ہیں۔ اس طرح ان کا عہدہ تو بڑا ہے۔ لیکن انہیں مصیبتوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے۔ کہ ارباب اقتدار اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہتے تھے۔ حالانکہ یہ کام ان کے شایان شان نہیں۔ یہ گھٹیا کام تو ایک تھانیدار بھی کر سکتا ہے۔۔۔ اقتدار والوں کا کام تو ملک کی عزت و وقار بنانا۔ اسکی تعمیر کرنا اور اس کو ترقی کی راہ پہ گامزن کرنا ہے۔ اس کا کام مسائل کو سلجھانا ہے۔ الجھانا نہیں۔ مسائل کو حل کرنا ہے، انہیں تشنہ چھوڑنا نہیں۔ ہماری نظر بندی کا اصل سبب رویت ہلال کا مسئلہ نہیں، بلکہ دین پسندوں اور تجدد پسندوں کی کشمکش ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قیام پاکستان میں دونوں طبقوں نے شانہ بشانہ کام کیا۔ لیکن دونوں کی منزلیں الگ الگ تھیں۔ تجدد پسندوں کے سامنے جو مسئلہ تھا وہ یہ تھا کہ ہندوستان میں انگریزی سلطنت کے زیر سایہ ہندوؤں کے ہوتے ہوئے ہم نہ تو اعلیٰ عہدے اور منصب حاصل کر سکتے ہیں۔ نہ ہمیں اسمبلیوں میں شرکت کا موقع مل سکتا ہے۔ وغیرہ اور بس۔ ان لوگوں کو اسی دن اپنی منزل مل گئی جس دن پاکستان عالم وجود میں آیا۔ لیکن ایک گروہ وہ بھی تھا جو شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی پیروی میں اللہ کے دین کے غلبہ اور اس کے نفاذ کے لئے جدوجہد کر رہی تھی۔ اس گروہ

میں حضرت شبیر احمد عثمانی، پیر صاحب مانکی شریف اور مولانا ظفر احمد عثمانی وغیرہ شامل تھے۔ اور مولانا اشرف علی تھانوی نے تو بہت پہلے پاکستان کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا۔ ہمیں اس وقت لوگ کہتے تھے کہ تم ایک خطرناک کھیل کھیل رہے ہو۔ سید سلیمان ندوی مرحوم نے ایک مرتبہ تقسیم سے چند ماہ پیشتر مجھ سے فرمایا "مولانا آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہمیشہ پہلے ذہنی انقلاب آتا ہے۔ اور پھر ملکی انقلاب۔ اور آپ ملکی انقلاب پہلے لا رہے ہیں۔ اور ذہنی انقلاب بعد میں لانا پڑے گا۔"
—— ظاہر ہے کہ جب تک لوگوں کو قرآن و سنت کے لئے تیار نہ کیا جائے۔ اسلامی نظام قائم ہونا محال ہے۔ یہ کام بڑی محنت اور مدت اور ایثار و قربانی چاہتا ہے۔ ہمیں معلوم تھا کہ ہمارے ساتھیوں کی منزل محض آزادی تھی۔ تاکہ وہ آزاد ہو کر عہدے اور نشستیں حاصل کر سکیں۔ لیکن دین پسند عناصر کے سامنے ایک دشوار منزل تھی اور وہ ابھی تک حاصل نہیں ہوئی۔ چنانچہ علماء کی جدوجہد ختم نہیں ہوئی وہ جاری ہے۔ اس میں طریق کار مختلف ہیں۔ مقصد ایک ہے۔ بعض کے نزدیک اصلاح کا مؤثر ذریعہ اقتدار ہے۔ اس لئے قانونی ذرائع سے اقتدار پر قبضہ ضروری ہے۔ بعض علماء حکومت سے تعاون کو خیر و فلاح کا موجب سمجھتے ہیں لیکن ۱۸ سال میں رونما ہونے والے واقعات و حالات سے صاف ظاہر ہے کہ حکومت کی نظر میں نہ یہ درست نہ وہ۔ ارباب اختیار نے اپنے طرز عمل سے واضح کر دیا ہے کہ علماء کو "ملاّ ازم" کی گالی دے کر ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ایک مرتبہ ملک غلام محمد مرحوم نے مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم سے کہا مولانا آپ کو اپنی روش بدلنا پڑے گی۔ ورنہ نوجوان بھڑک اٹھیں گے۔ اور کہیں پاکستان کا بھی اسپین والا معاملہ نہ ہو۔ انہوں نے کہا، ملک صاحب مجھے سپین سے نہ ڈرایئے۔ بلکہ افغانستان کے حالات سے عبرت حاصل کیجئے جہاں کے بادشاہ امان اللہ خان نے خلاف اسلام سرگرمیاں شروع کیں تو اُسے ملک چھوڑنا پڑا۔ حالات کے مشاہدہ کی بنا پر مجھے اندیشہ ہے۔ خدا کرے کہ یہ غلط ثابت ہو کہ اس ملک میں مذہب اور اقتدار کی جنگ شروع ہو چکی ہے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ یہ کوئی غیر متوقع صورت حال نہیں، ہمارے ذہن اس کے لئے پہلے ہی سے تیار تھے۔ ہمیں معلوم ہے کہ وہ مسلمان رہنما جو پاکستان کی مخالفت کر رہے تھے۔ اور وہ مسلمان تھے یہ رائے رکھتے تھے کہ مسلمان رہنما اسلام کا سبز باغ دکھا رہے ہیں۔

ایک مرتبہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی مرحوم کے ساتھ نئی دہلی میں ایک سرکاری افسر کے یہاں رات عشاء کے بعد بارہ بجے تک پاکستان کے موضوع پر باتیں ہوتی رہیں۔ اس مجلس میں اسد ملتانی مرحوم کے علاوہ ایک اور صاحب بھی تھے، جو اب سرکاری ملازمت سے ریٹائر

ہو چکے ہیں۔ مولانا سیوہاروی نے فرمایا کہ قرآن وسنت پر مبنی نظام رائج کرنے کے لئے پاکستان تو بہت بڑا ہے۔ میں تو ضلع گڑگانواں کو بھی کافی سمجھتا ہوں۔ لیکن اگر پاکستان میں قرآن وسنت کے علاوہ کوئی اور نظام ہی رائج کرنا ہے۔ تو پھر مرکز کی تقسیم سے کیا فائدہ۔؟ ے

اگر یہ جانتے چن چن کے ہم کو توڑیں گے تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بو کرتے

ہم نے کہا کہ ہمیں معلوم تھا۔ صرف لٹنے کے خدشے کی بنا پر پھول کھلے بغیر نہیں رہ سکتے بقول شاعر

خزاں آتی ہی ہے۔ اور خاک میں ملنا ہی پڑتا ہے مگر کلیوں کو اس گلزار میں کھلنا ہی پڑتا ہے
جگر کو زخم سے زخموں کو آہوں سے بچاتا ہوں مگر ہوتے ہی ہیں زخم اور انہیں چھلنا ہی پڑتا ہے

جب مجھے سرکاری آدمی گرفتار کرنے آئے تو سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھے کوئی رنج یا ڈر نہ تھا۔ کیونکہ ے

یہ سب سوچ کر دل لگایا تھا ناصح نئی بات کیا آپ فرما رہے ہیں

میں آپ سے ایک اہم بات کہنا چاہتا ہوں کہ جب تک شیدائیان اسلام قید و بند کے مرحلوں سے نہیں گزریں گے اسلامی نظام قائم نہیں ہوگا۔ یہاں سوال صرف پانچ علماء کا نہیں بلکہ اس سرزمین میں ہر حق گو آدمی یا تو قید و بند میں ہے۔ یا سخت مشکلات کا شکار ہے۔ مولانا غلام اللہ خان کا قصور اس کے سوا کیا ہے کہ انہوں نے رقص و سرود کے خلاف آواز اٹھائی اور آج وہ اپنے آبائی قصبے دریا میں نظر بند ہیں۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ہم بھی قید ہیں اور خوشادی علماء بھی۔ فرق یہ ہے کہ ہمارا جسم قید میں ہے، اور ضمیر آزاد ہے۔ جبکہ ان کا جسم آزاد ہے، اور ضمیر قید۔ در اصل حق و صداقت کو طوق و سلاسل سے دبانے سے قاصر ہیں ے

کٹ جائیں گے زنداں میں اسیری کے یہ دن بھی احساس تو وابستۂ زنجیر نہ کیجئے

خواجہ ناظم الدین مرحوم نے ایک مرتبہ حضرت عثمانی سے کہا تھا۔ کہ مولانا پچھلے دنوں ڈھاکہ یونیورسٹی میں خدا کی ہستی پر رائے شماری ہوتی ہے۔ آج اس ملک میں ہر طرح کی آزادی ہے۔ کمیونزم، سوشلزم، رقص و سرود کے لئے آزادی ہے۔ اگر نہیں تو اس دین کے لئے نہیں جس کی اساس پر مملکت پاکستان کی تشکیل کی گئی، کس قدر شرم کی بات ہے یہ۔

یہ حقیقت ہے کہ اس ملک میں اہل سنت، اہل حدیث کا طبقہ ہی اکثریت رکھتا ہے۔ اور انہوں نے ہی تحریک پاکستان میں بے مثال قربانیاں دیں۔ باقی گروہوں نے کوئی قربانی نہیں دی خصوصاً پاکستان میں حنفی فرقہ اکثریت رکھتا ہے۔ اگر کسی کو حنفی ضابطہ ناپسند ہے۔ تو وہ اسے ترک کر سکتا ہے۔ لیکن اُسے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ دوسرے فرقوں اور گروہوں کے عقائد و اعمال میں

اصلاح کی بجائے سارا زور اصلاح اسی ایک مسلک پر صرف کرنے لگے۔ یہ اس لئے کہ حکومت کسی فرقے کی مخالفت مول نہیں لینا چاہتی۔ کوئی اپنے رہنما کو خدا بنا رہا ہے۔ کوئی مصنوعی نبوت چلا رہا ہے۔ لیکن ہر ایک کو چھٹی ہے۔ کسی پر کوئی قدغن نہیں۔ صرف حنفی ضابطہ پر چلنے والے ہی کیوں معتوب ہیں۔ ــــ کبھی ہم اسلامی نظام کا مطالبہ کرتے تھے۔ لیکن آج ؟ ــــ میں بطور تنزل ایک بات کہتا ہوں ــ

کل تو روتے تھے اپنے دامن کو اے جنوں آج آستیں بھی نہیں

آج تو انگریز کی دی ہوئی مذہبی آزادی بھی برقرار نہیں۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ اگر اس ملک میں ہر قسم کی مذہبی آزادی ہے تو پھر اکثریتی حنفی فرقے کو بھی اپنے مسلک کے مطابق عمل کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ ورنہ علماء اور مشائخ حسب دستور آج بھی جیلیں بھردیں گے۔ لیکن حنفی ضابطے میں تبدیلی گوارا نہیں کریں گے۔ اور حق گوئی ترک نہیں کریں گے۔ حکومت کی خواہش ہے۔ کہ جس طرح سیاست میں بی ڈی سسٹم رائج ہے۔ اسی طرح دین میں بھی بی ڈی سسٹم رائج کردیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ اہل پاکستان کا اعتبار اپنے علماء سے جائے گا تو بتائیے قوم ایسے ضمیر فروش علماء سے کیسے مسئلہ پوچھے گی ــــ پھر یہ کہ عالم نے اگر قرآن و سنت کی صحیح ترجمانی نہیں کی تو اس نے دراصل حضرت محمدؐ کی روح کو تکلیف پہنچائی ہے۔ قرآن و سنت کی ترجمانی اور حق گوئی علماء کا فریضہ ہے۔ اسی کی ادائیگی میں حکومت کی عزت پوشیدہ ہے۔ رہائی کے بعد میں نے ایک دن جامع مسجد دہلی کی ریڈیائی تقریر سنی جس میں انہوں نے ہندوستان میں مذہبی آزادی کے موجود ہونے پر حکومت کا شکریہ ادا کیا اور ساتھ ہی پاکستان کے متعلق بتایا کہ وہاں رویت ہلال کے مسئلہ پر اختلاف کے باعث جید علماء کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔ اگر حکومت یا ماہنامہ "فکر و نظر" کے یتیم الفکر ایڈیٹر کی خواہش کے مطابق پاکستان میں کوئی صاحب کردار عالم باقی نہ رہے۔ تو نتیجہ یہ ہوگا کہ مذہبی قیادت ہندوستان کے علماء کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ دونوں ملکوں کی جنگ کی صورت میں ہندوستان کے علماء تو جہاد کا فتویٰ دینے سے رہے۔ اور جہاں تک پاکستان کے علماء کا تعلق ہے۔ لوگ ان کی چیخ و پکار بھی نہیں سنیں گے۔ کیونکہ ان کی نظروں میں بے کردار علماء کا کیا وقار رہ جائے گا۔ خان لیاقت علی خان مرحوم نے ایک مرتبہ حضرت عثمانی سے کہا مولانا میں حال ہی میں مشرقی پاکستان کا دورہ کرکے واپس آرہا ہوں، میں نے دیکھا کہ ہزاروں طلباء علم دین حاصل کرنے کے لئے بھارت دیوبند وغیرہ جاتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ جو طالب علم آٹھ دس سال تک بھارت رہے اس کا ذہن پاکستان سے کیسے مطابقت پیدا کرسکتا ہے۔ ہمیں ایسے عالم کی ضرورت ہے جو ہماری سرزمین پر ہی علم حاصل کرے، یہیں پلے بڑھے اور یہیں عالم بنے۔ اس لئے آپ یہاں ایک

عظیم الشان دارالعلوم بنائیں تقریباً اسی قسم کے حالات کا سعودی عرب کی حکومت کو سامنا کرنا پڑا۔ جہاں کے نوجوان ازہر یونیورسٹی سے عالم بن کر آتے تھے۔ لیکن جب مصر اور سعودی عرب کی ٹھن گئی تو سعودی حکومت نے فوراً مدینہ یونیورسٹی قائم کر دی اور آج ہمارے ارباب و دست عربی و دینی مدرسوں کو ختم کرنے پر غور کر رہے ہیں لیکن ہمیں یقین ہے وہ اپنے ان ارادوں میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔

مرا نقش ہستی نہیں مٹنے والا ! بتوں کے مٹانے سے مٹتا نہیں ہے

اسکے مٹنے میں وہ مٹ جائیگے خود کہ یہ نقش سجدہ ہے قشقا نہیں ہے

اگر یہاں سے طالب علم دوسرے کسی علاقے میں تحصیل علم کے لئے جائیں گے تو بیرون ملک پاکستان کے متعلق یہ بدگمانی پیدا ہوگی کہ پاکستان میں تو دین کے علم کا نام و نشان تک نہیں۔ اس لئے عرض ہے کہ:

ذرا رفتار کو بدلو کہ دل پامال ہوتے ہیں یہ ہم بھی جانتے ہیں آمد فصل جوانی ہے

اگر پاکستان کے علماء کا وقار بنے گا اور ان کا کردار بے عیب ہوگا تو نہ صرف ملک کی عزت قائم ہوگی بلکہ اس سے عوام پر بھی اچھا اثر پڑے گا، ان کی سیرت کی اصلاح ہوگی۔

پیر محسن الدین صاحب (ایم این اے) نے ابھی ابھی بالکل درست فرمایا ہے کہ منتشر قوت بے اثر ہوتی ہے۔ اس حقیقت کا اظہار حال ہی میں عرب اسرائیل جنگ سے بھی ہوا ہے۔ لیکن یہاں میں ذرا مختصراً بتانا چاہتا ہوں کہ علماء کی باہمی چپقلش کا سبب کیا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد چند سالوں تک علماء کرام باہم متفق رہے بلکہ ہم نے کراچی میں اکتیس چوٹی کے علماء کو جمع کیا اور سب نے اتفاق رائے سے اسلامی دستور کا خاکہ تیار کیا۔ ۱۹۵۲-۵۵ء کے بعد فرقہ بازی شروع ہوئی اور اسکی باعث اس وقت کی حکمران جماعت تھی۔ سہروردی صاحب اور سکندر مرزا صاحب کے خیال میں اگر دین پسند عناصر متحد ہوگئے تو پھر یہ لوگ حکومت پر قابض ہو جائیں۔ اس سوچ کا عملی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک عجیب انداز سے فرقہ وارانہ اختلافات شروع ہوگئے۔ مقصد یہ تھا کہ یہ الجھے رہیں تو ان پر ہاتھ ڈالنے کا موقع حاصل رہے۔ اس لئے علماء اور عوام دونوں سے کہتا ہوں کہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کیجئے۔ فروعی مسائل میں اختلاف میں شدت نہ کیجئے۔ ہمیں ایک دوسرے کے قریب آنا چاہئے۔ اسی میں ہماری فلاح ہے۔ اسی راہ پر چل کر ملک میں اسلامی نظام قائم ہو سکتا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ حکومت اگر بعض مذہبی فرقوں کے مریدوں کو سرکاری مہمان بناتی ہے، انکا شان و شوکت کیساتھ استقبال کیا جاتا ہے۔ بعض کی آمد پر سرکاری حکام ننگے آگے پیچھے ہوتے ہیں، خواہ یہ لوگ پاکستان کے کسی مسئلہ میں حمایت کریں یا نہ۔ ایک فرقے کے رہنما فوت ہوتے ہیں تو سرکاری افسر اسکے جنازے میں شریک ہوتے ہیں۔ لیکن ہمیں گلہ ہے کہ تحریک آزادی کے مجاہد سید عطاء اللہ شاہؒ اور مفسر قرآن مولانا احمد علی لاہوریؒ کی وفات پر کسی سے تعزیت کا تار تک نہ دیا جا سکا۔ حالانکہ حکومت کا فرض ہے۔ کہ وہ ہر فرقے کے علماء کی تعظیم و تکریم کرے۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

علماء حق کی اصلاحی کوششیں

گذشتہ ایام زوال میں سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ اندرونی اور بیرونی طور پر خواہ حالت کیسی ہی خراب و خستہ ہو بہرحال مسلمانوں کی اپنی حکومت و سلطنت تھی۔ اس بنا پر اول تو جو فاسق و فاجر بادشاہ ہوتے تھے وہ بھی حرمات و شعائر اللہ کی توہین کی جرأت نہیں کر سکتے تھے اور چونکہ علماء حق کا گروہ ہر دور میں موجود رہا ہے۔ اس لئے وہ موقع و محل کے مناسب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کو ادا کرنے سے غافل نہیں رہتے تھے اور اس طرح کسی نہ کسی حد تک صورت حالات کی اصلاح ہو جاتی تھی۔ خلیفہ ذاتی طور پر خواہ کیسا ہی مستبد ہو لیکن علماء حق کے سامنے اُسے بھی جھکنا پڑتا تھا۔ یہ تسلیم کرتا ناگزیر ہے کہ بعض خاص خاص مواقع پر علماء کے اس اثر نے حکومتوں میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے۔

اس نوع کے واقعات تذکرہ و تاریخ کی کتابوں میں بکثرت ملتے ہیں۔ ان میں سے چند واقعات کا ذکر بطور نمونہ مشتے از خروارے نامناسب اور بے محل نہ ہوگا۔ مشہور اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک چاہتا تھا کہ اپنے بیٹے کو ولی عہد بنائے لیکن اس زمانہ کے مشہور تابعی امام حضرت رجاء بن حیوہ کے مشورہ کے مطابق اس نے اپنی اس رائے سے رجوع کر کے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اپنا جانشین مقرر کر دیا اور اپنی زندگی میں ہی ان کے لئے بیعت لے لی جس سے پھر ایک مرتبہ خلافت راشدہ کا منظر لوگوں کو نظر آ گیا ـــــــ

حجاج کے نام اور اس کی سفاکی و بے رحمی سے کون واقف نہیں۔ ایک مرتبہ اس کے سامنے امام حسینؓ کا ذکر آیا تو بولا "وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریات میں داخل نہیں تھے۔ اس مجلس میں اتفاق سے مشہور تابعی عالم یحییٰ بن یعمر بھی موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا "تو جھوٹ بولتا ہے۔" حجاج نے کہا، "اس کو یا تو قرآن سے ثابت کرو ورنہ میں گردن اڑا دوں گا۔" اب حضرت یحییٰ بن یعمر نے آیت ومن ذریتہ داؤد وسلیمان الآیہ پڑھی اور فرمایا کہ "جب اس آیت کے بموجب حضرت عیسیٰ ماں کے

رشتہ سے حضرت آدم کی ذریت میں داخل ہیں تو امام حسین ماں کے توسط سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت میں کیوں داخل نہیں؟ حجاج بلا کا شعلہ مزاج تھا مگر اس وقت یحیٰی بن یعمر کی حق گوئی کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ بولا "سچ کہتے ہو میں اس آیت کو پڑھتا تھا مگر کبھی ذہن ادھر منتقل نہیں ہوا۔ بخدا یہ استنباط تو بہت ہی عجیب و غریب ہے"

انہی کا ایک دوسرا واقعہ ہے۔ ایک دفعہ حجاج نے ان سے دریافت کیا "میں لحن یعنی اعراب میں غلطی تو نہیں کرتا۔" یحیٰی بن یعمر نے اس کا نہایت بلیغ جواب دیا، فرمایا "ترفع ما یخفض وتخفض ما یرفع" حجاج کے سوال کے مطابق اس جملہ کا ایک مطلب تو یہ تھا کہ تم کسرہ کی جگہ رفع اور رفع کی جگہ کسرہ پڑھ دیتے ہو مگر اس کا دوسرا مطلب یہ بھی نکلتا تھا کہ تو بڑا بے انصاف اور ظالم ہے جو پستی کے مستحق کو بلندی دیتا ہے۔ اور سر بلندی کے مستحق کو ذلیل و خوار کرتا ہے ــــ ابن خلکان کا بیان ہے کہ حجاج اس حق گوئی پر اس درجہ مسرور ہوا کہ یحیٰی بن یعمر کو خراسان کا قاضی مقرر کر دیا۔

امام اوزاعی شام کے امام تھے۔ ایک مرتبہ خلیفہ عباسی سفاح کے چچا عبداللہ بن علی نے ان سے دریافت کیا۔ ہم نے بنو امیہ کی جو خونریزی کی ہے۔ اس کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے۔؟ امام اوزاعی نے پہلے تو ٹالنا چاہا مگر جب زیادہ اصرار ہوا تو انہوں نے صاف صاف فرمایا "بخدا ان لوگوں کا خون تم پر حرام تھا" عبداللہ بن علی انتہا درجہ تند مزاج اور درشت خو تھا۔ اس جواب کو سن کر غصہ کے مارے لال پیلا ہو گیا۔ بولا "تم نے ایسا کیونکر کہا" امام عالی مقام نے جواب دیا "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حق بنیاد ہے۔ کسی مسلمان کا خون اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت نہ پیش آئے۔ یا تو شادی شدہ ہو کر زنا کرے۔ یا قاتل ہو اور یا مرتد ہو جائے" اب عبداللہ بن علی نے پوچھا۔ "کیا ہماری حکومت دینی نہیں ہے۔؟ امام اوزاعی نے سوال کیا "یہ کیونکر؟" عبداللہ نے کہا "کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے لئے وصیت نہیں کی تھی۔؟" امام نے فرمایا۔ "اگر وصیت کی ہوتی تو حضرت علیؓ کسی کو اپنی طرف سے حکم نہ بناتے" اس گفتگو کے بعد امام ہمام کو توقع کیا۔ بلکہ یقین تھا کہ ان کی گردن اڑا دی جائے گی، لیکن اس کے برعکس ہوا یہ کہ عبداللہ بن علی نے اگرچہ اس وقت بگڑ کر امام اوزاعی کو دربار سے نکلوا دیا مگر بعد میں ان کے پاس دنانیر کی ایک تھیلی بطور نذرانہ ارسال کی جس کو امام نے اسی وقت مستحقین میں تقسیم کر دیا۔

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید اور شہزادے امام مالکؒ کے حلقہ درس میں گئے اور خلیفہ نے کہا کہ حدیث کی قرأت میں کروں گا۔ آپ سنئے، مگر شرط یہ ہے کہ عام سامعین کو اپنے حلقے سے باہر کر دیجئے۔

امام مالکؒ نے فرمایا۔ "اگر خواص کی خاطر عوام کو محروم کر دیا جائے گا۔ تو پھر خواص کو بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔" یہ جواب دیکر اپنے ایک شاگرد کو حکم دیا کہ حدیث کی قرات شروع کریں انہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور خلیفہ کو خاموش ہو جانا پڑا۔

واقعات بیشمار ہیں، تذکرہ و تاریخ کی کتابوں میں جابجا ان کا ذکر ہے۔ کہاں تک انہیں بیان کیا جا سکتا ہے، غرض یہ ہے کہ یہی علماء حق تھے جو موقع بموقع امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کر کے خلفاء وقت کو ان کی بے اعتدالیوں اور غلطیوں پر متنبہ کرتے رہتے تھے۔ اور اس طرح استبدادی نظام حکومت کے مفاسد کو زیادہ وسیع ہونے سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عباسی خلیفہ ہادی نے وفات سے پہلے چاہا کہ اپنے بیٹے کو اپنا قائم مقام بنا کر اپنے بھائی ہارون رشید کو خلافت سے محروم کر دے۔ اس مقصد کے لئے اس نے ایک مجلس طلب کی جس میں ہرثمہ بن اعین بھی تشریف رکھتے تھے۔ جب اصل معاملہ پیش ہوا تو سب حاضرین خلیفہ کا رجحان خاطر دیکھ کر خاموش تھے مگر ہرثمہ بن اعین نے کہا "اے خلیفہ تیرا یہ اقدام صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ تیرے باپ نے تجھے اور ہارون رشید دونوں ہی کو ولی عہد بنایا تھا پھر اب اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تو جو اس وقت اپنے بیٹے کے لئے بیعت لے رہا ہے۔ وہ زیادہ قابل ثابت ہوگی بہ نسبت اس بیعت کے جو تیرے باپ نے ہارون کے لئے لی تھی۔ جو شخص پہلی بیعت کو توڑ سکتا ہے، وہ دوسری بیعت کو بھی توڑ سکتا ہے۔" حالانکہ معاملہ بیٹے کا تھا لیکن خلیفہ ہادی ہرثمہ کی حق گوئی سے بد دل نہیں ہوا۔ اور اس نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا۔ "تم سب کا برا ہو تم نے مجھ کو دھوکا میں رکھا۔ صرف میرے آقا (ہرثمہ) ہیں جنہوں نے میری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا" اب خیال فرمایئے! ہرثمہ نے اس وقت غیر معمولی جرأت سے کام لے کر امت کو کتنے بڑے فتنہ سے بچا لیا۔

مامون رشید اور قاضی یحیٰی ابن اکثم کے واقعات مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ مامون نے فرمان لکھوایا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان پر لعنت بھیجی جائے۔" لیکن قاضی صاحب کی بروقت مداخلت سے مامون کو یہ فرمان واپس لینا پڑا۔ اسی طرح ایک دفعہ مامون پر شیعیت کا غلبہ ہوا تو اس نے نکاح متعہ کے جواز کا حکم دے دیا۔ قاضی صاحب کو اس کی خبر ہوئی، دوڑے ہوئے آئے۔ اور مامون کو سمجھایا کہ قرآنی نص کے مطابق نکاح متعہ اور زنا ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مامون نے اپنی غلطی تسلیم کر لی اور فوراً متعہ کی حرمت کا اعلان کرا دیا۔

صرف بنو امیہ اور بنو عباس کے درباروں کی ہی یہ خصوصیت نہیں ہے۔ بلکہ جس جس ملک میں جب تک مسلمانوں کی حکومت رہی کم و بیش ایسے علماء حق کا وجود برابر رہا ہے۔ جو حکومت کی بے اعتدالیوں

کی پردہ دری کر کے امر حق کا اعلان کرتے رہتے تھے۔ اور ملک کو فتنوں سے بچانے کی کوشش کرتے تھے۔ مصر کا مشہور فرمانروا رکن الدین بیبرس بڑے جاہ وجلال کا بادشاہ تھا۔ ایک مرتبہ اس نے جہاد کے لئے مسلمانوں سے مقررہ رقم کے علاوہ کچھ مزید رقم جمع کرنی چاہی، صحیح مسلم کے مشہور شارح علامہ نووی نے اس کی مخالفت کی اور سلطان سے کہا۔ "مجھ کو معلوم ہے۔ تو امیر بند قدار کا زر خرید غلام تھا۔ اور ایک حبہ کا بھی مالک نہیں تھا۔ اب اللہ نے تجھ کو سلطنت دیدی ہے۔ اور تو نے ہزاروں غلام خرید ڈالے ہیں جن کے تمام سامان طلائی ہیں۔ نیز تیرے محل میں سو کنیزیں ہیں جو زر و جواہر سے لدی ہوئی ہیں۔ جب تک مجھ کو یہ معلوم نہ ہو جائے، کہ یہ سب قیمتی چیزیں تو نے جہاد کے اخراجات کے لئے اپنے غلاموں اور باندیوں سے لے لی ہیں اس وقت تک میں غریب مسلمانوں کے مال سے لینے کا فتویٰ تیرے حق میں نہیں لکھ سکتا۔" بیبرس علامہ کی اس حق گوئی سے ناراض ہو گیا۔ اور ان کو شہر بدر کر دیا۔ بعد میں اس کو اپنی غلطی پر تنبیہ ہوا تو اس نے یہ حکم منسوخ کر کے علامہ کو پھر دمشق میں آنے اور رہنے کی اجازت دیدی۔ مگر اقلیم علم کے سلطان بے دیہیم وکلاہ کی بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ فرمایا۔ "جب تک بیبرس موجود ہے میں نہیں آؤں گا۔" اس واقعہ کے ایک ماہ بعد ہی بیبرس کی وفات ہو گئی۔

عباسی خلیفہ مصر مستکفی باللہ کے عہد میں ذمی رعایا نے ایک درخواست دی کہ ذمی ہونے کی حیثیت سے ہم پر جو بندشیں لگی ہوئی ہیں وہ اٹھالی جائیں۔ اور اس کے عوض ہم سات لاکھ دینار سالانہ ادا کرتے رہیں گے۔ وزیر اور خلیفہ دونوں کا رجحان تھا کہ اس درخواست کو قبول کر لیں، لیکن علامہ ابن تیمیہ نے اس میں مداخلت کر کے فرمایا: "شریعت اسلام کے احکام کسی قیمت پر بھی فروخت نہیں ہو سکتے۔" خلیفہ کو مجبوراً امام کے فتوے کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ اور اس نے ذمیوں کی درخواست مسترد کر دی۔

سلطنت آل عثمان کے مشہور فرمانروا سلیم اول نے ایک مرتبہ اپنی سلطنت کے مفتی اعظم شیخ جمالی سے دریافت کیا۔ "ملکوں کا فتح کرنا بہتر ہے یا قوموں کا مسلمان بنانا۔" شیخ نے کہا۔ "قوموں کا مسلمان بنانا۔" یہ سن کر سلطان نے اعلان کرا دیا کہ میری مملکت میں جو شخص مسلمان نہیں ہو گا قتل کر دیا جائے گا۔" اب مفتی اعظم کو اس اعلان کی خبر ہوئی تو فوراً سلطان کی خدمت میں پہنچے اور بتایا کہ آپ کا یہ حکم قرآن کے خلاف ہے۔ غیر مسلموں سے جزیہ لیکر ان کو مذہب کے معاملہ میں آزاد چھوڑ دینا چاہیئے۔ مفتی اعظم شیخ جمالی کی اس تصریح کے بعد سلطان نے اپنا حکم واپس لے لیا۔ اور مسلمان ایک عظیم گناہ سے بچ گئے۔

علامہ عزالدین بن عبدالسلام ساتویں صدی ہجری کے نامور علماء میں سے ہیں۔ ان کو جب تحقیق سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ ممالیک بحریہ سلطان مصر کے زر خرید غلام ہیں۔ اور آزاد کردہ نہیں ہیں تو انہوں

نے اعلانِ عام کرادیا کہ ان غلاموں کے تمام تصرفات خود مختارانہ ناجائز ہیں۔ آپ نے ان غلاموں کو حکم دیا کہ میں تم کو فروخت کروں گا۔ علامہ کے احباب نے بہت کہا کہ آپ کا یہ اقدام خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ مگر وہ نہ مانتے۔ آخر کار مصر کا نائب السلطنت جو غلام تھا۔ چند مددگاروں کی جماعت کو ہمراہ لے کر علامہ کو قتل کرنے کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ مکان پر پہنچ کر آواز دی۔ علامہ باہر آئے تو ان کی صورت دیکھتے ہی نائب سلطنت کانپ اٹھا اور رو کر بولا۔ مولانا! آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔؟ فرمایا۔ میں تم لوگوں کو فروخت کروں گا۔ کیونکہ تم بیت المال کی ملکیت ہو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔

سلطان سنجر امام غزالیؒ کے اشاروں پر چلتا تھا۔ شہاب الدین غوری۔ امام فخر الدین رازی کا بڑا معتقد تھا۔ حاجی الدبیر نے تاریخ ظفر الوالہ بمظفر وآلہ میں ایک تفصیلی واقعہ لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ امام رازی نے غوری کے بعض عقائد غیر صحیحہ کی اصلاح کی تھی پھر صرف یہی نہیں کہ علماء حق کبھی کبھار خلفاء کو ان کے اعمال و افعال پر ٹوکتے رہتے ہوں۔ بلکہ انہوں نے مستقلاً کتابیں اور دساتیر لکھے تاکہ خلفاء اور سلاطین ان پر عمل پیرا ہوں جیسا کہ قاضی ابو یوسف نے ہارون رشید کے لئے کتاب الخراج لکھی۔ اسی طرح کا ایک دستور سیاسی ابن المقفع نے لکھا تھا۔ امام ابو عبیدہ القاسم بن سلام المتوفی ۲۲۴ھ کی مشہور ضخیم کتاب "کتاب الاموال" اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ چنانچہ اس کے پہلے باب میں ہی امام نے بادشاہ اور رعایا کے باہمی حقوق سے بحث کی ہے۔ امام مالک کا بھی ایک رسالہ مشہور ہے جو انہوں نے خلیفہ ہارون رشید کے نام لکھا تھا۔ اور جس میں انہوں نے خلیفہ کو متعدد نصیحتیں کی ہیں۔

خلفاء اور وزراء و امراء کی اصلاح کے علاوہ خارجی اثرات کے ماتحت ملک میں جو عقیدہ و عمل کی خرابیاں پیدا ہوئی تھیں علماء حق ان کا بھی مردانہ وار مقابلہ کرتے تھے۔ چنانچہ جب بغداد میں فسق و فجور عام ہونے لگا تو خالد الدرویش نے اس کی روک تھام کے لئے ایک جماعت بنائی۔ اسی طرح کی ایک جماعت سہل بن سلامۃ الانصاری نے بنا رکھی تھی۔ دونوں کا مقصد یہ تھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ ان تمام عناصر فاسدہ کا استیصال کیا جائے جو مسلمانوں میں بدعملی کے پیدا ہونے کا سبب ہو رہے ہیں۔ پھر حنابلہ نے فرقِ باطلہ کا مقابلہ جس اولوالعزمی اور ہمت و عالی حوصلگی سے کیا ہے۔ ارباب خبر و نظر پر پوشیدہ نہیں۔ اس راہ میں علماء کو قید و بند کے مصائب سے بھی دو چار ہونا پڑتا تھا جیسا کہ امام مالک امام احمد بن حنبل اور امام ابو حنیفہؒ وغیرہ ائمہ کبار کے ساتھ ہوا۔ لیکن پھر بھی ان کی صدائے حق پست نہیں ہوتی تھی۔ اور نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ چونکہ حکومت بہر حال اسلامی تھی اس لئے جلد یا بدیر اس آواز کا اثر ہوتا تھا۔ اور مفاسد کی اصلاح کسی نہ کسی شکل میں ہو جاتی تھی۔ مامون رشید طبعاً وسیع المشرب۔ اور حد درجہ فراخدل سے

باقی ص ۴۲ پر

حضرت مولانا امین الحق صاحب مدظلہ خطیب شیخوپورہ

نبوّت کی حقیقت اور اسکی عظمت

حضرات قارئین! نبوت کی پوری حقیقت کو دریافت کرنا گو مشکل ہے مگر نبیؐ کی معرفت وحی اور معجزہ کی معرفت کیطرح واضح اور بدیہی ہے۔ ہمارے سامنے بہت سی ایسی اشیاء ہیں جنکی معرفت کی بداہت میں کسی کو شک نہیں۔ لیکن جب ایسی اشیاء کی حقیقت کے دریافت کرنے کی بحث آتی ہے، تو وہ نظری بن جاتی ہیں۔ یہ درست ہے کہ نبوۃ، معجزہ اور وحی کی حقیقت کے معلوم کرنے میں صرف غیر مسلم عقلاء کو دشواری نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ خود اہل اسلام کے لئے بھی وہ ایک مشکل مسئلہ ہے۔ آج تک کتب کلام میں اس حقیقت کی تنقیح اور وضاحت میں مختلف اقوال مذکور ہوتے ہیں۔ نبوت اور اس کے لوازمات کی جس نے بھی عقل کے زور سے دریافت کرنے کی کوشش کی ہے۔ تو وہ عاجز اور درماندہ رہ گیا ہے۔ اور جس نے نبوت کی راہ سے نبوت کو دریافت کرنا چاہا ہے۔ تو اس کے لئے نبوت کی معجزہ اور وحی کی معرفت بدیہی ہے۔ اہل کتاب نے رسالت مآبؐ کو دیکھا اور اس طرح پہچان لیا۔ جیسا کہ باپ اپنے بیٹے کو پہچان لیتا ہے جیسطرح باپ کو اپنے بیٹوں کے پہچاننے میں کچھ تامل نہیں ہوتا، اسی طرح اہل کتاب کے علماء کو اور واقعات نبوت کے تاریخ آشناؤں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت نبوۃ میں کچھ بھی شک نہیں ہوا۔ ہاں جس نے دیدہ دانستہ حق کو چھپانا چاہا ہے۔ ان کا تمرد حق کے اظہار سے مانع رہا۔ اور نبوت کے انکار پر وہ اڑے رہے۔ عبداللہ بن سلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا۔ میں اپنے بیٹے کی نبوت سے بہت زیادہ حضورؐ کی نبوۃ کو پہچانتا ہوں۔ اور فرمایا مجھے اپنے بیٹے کی نبوت میں شک ہو سکتا ہے کہ اسکی ماں نے خیانت کی ہو۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں مجھے قطعاً شک نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے احباب میں سب سے پہلے

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اسلام لانے کی دعوت دی اور آپ نے کسی فکر و تامل کے بغیر اسلام لانے کا شرف حاصل کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیرینہ تعلقات تھے اور بعثت سے پہلے بھی تجارت کے بعض سفر میں آپ کے ساتھ رہے۔ اور آپ کی نبوت کی آیات اور ملکات کو دیکھا پہچانا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا پہلے سے یقین تھا۔ اور بغیر کسی بحث و نظر کے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"میں نے جس کسی پر اسلام پیش کیا ہے وہ اسلام لانے سے کچھ نہ کچھ جھجکا ہے۔ مگر ابوبکر صدیقؓ نے اسلام کے قبول کرنے میں کچھ بھی توقف نہیں کیا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو جبریل امینؑ کی پہلی آمد کے واقعات سنائے تو حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حمیدہ اخلاق اور جمیلہ اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"خدا کی قسم آپ اس امت کے نبی ہونگے۔ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔۔۔۔"

ورقہ ابن نوفل نے جب حضورؐ سے آپؐ کی تمام سرگزشت سنی تو یہ کہا:

"آپ کو بشارت ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی نبی ہیں، جنکی حضرت مسیح نے گواہی دی ہے۔ اور حضرت موسیٰؑ کی مانند آپ نبی مرسل ہیں۔"

عرب کے امی ہزار ہا ہزار ہا کی تعداد میں آئے اور بہتوں نے آپ کے دیکھتے ہی آپ کے نبی برحق ہونے کا یقین کر لیا۔ ایسے حضرات جن کو نبیؑ کے پیغمبرانہ ملکات و اوصاف اور نبوت کی تاریخ سے کچھ بھی آشنائی تھی ان کیلئے نبیؑ کا پہچاننا بدیہی امر تھا۔ اگرچہ نبوت کی پوری حقیقت ان کے سامنے واضح نہیں تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ عناصر اربعہ اس قدر بدیہیات میں داخل ہیں کہ ان کے شناخت کرنے اور ان کے سمجھنے میں کسی غور و نظر کی ضرورت نہیں ہے۔ چھوٹے سے بچہ کو اگر پیاس لگتی ہے تو وہ پانی مانگ لیتا ہے۔ اگرچہ وہ پانی کی حقیقت کے بیان اور تشریح سے قاصر ہے۔ اہل علم کا تواضع اور علمی اعمال اور اخلاق اور علمی وظائف وغیرہ کی شناخت سے اہل علم بدیہی طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ اگرچہ علم کی پوری حقیقت کے دریافت کرنے میں اہل عقل کو اختلاف رہا۔ انبیاء نے اس حقیقت کے پیش نظر نبوت و روح جیسی اشیاء کی حقیقت بیان کرنے کیطرف کوئی خاص توجہ نہیں دی ہے۔ اور نہ ہماری کمزور عقلوں پر اس کا بوجھ ڈالا ہے، اور نہ ان کی شناخت پر

دین کی بنیاد کو رکھا اور نہ انکی حقیقت کی شناخت سے ہمارے ایمان کو وابستہ کیا ہے۔ ہم سے صرف اس قدر مطالبہ کیا گیا ہے کہ انبیاءؑ کے اعتماد اور باور پر جو کچھ وہ ارشاد فرماتے ہیں صحیح اور یقینی تسلیم کریں۔ اور انکی پوری قیادت اور رہنمائی میں ہمیں دنیا اور قیامت کی نجات اور بہتری یقین کر لینی چاہیے۔ اور انبیاءؑ کے سنن کی پوری اتباع اور اطاعت کو دین کی اساس اور اسلام کا غیر متبدل دستور تسلیم کرنا چاہیے۔

انبیاء کی شناخت کا طریقہ اہل علم نے لکھا ہے۔ انبیاءؑ کے پہچاننے کا وہی طریقہ ہے جو دوسرے انواع انسان کے پہچاننے کا ہے۔ انبیاءؑ کے افراد بھی اسی طرح کثرت سے آتے رہے ہیں جسطرح دنیا میں علماء شعراء اطباء وغیرہ کے افراد ہر دور میں آتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک نوع کے کچھ ایسے امتیازات اور خواص تاریخ کے صفحات میں مدون ہوتے چلے آتے ہیں جن سے بعد کی نسلوں نے ان کو کسی تکلیف کے بغیر پہچان لیا ہے۔ کہ یہ عالم ہے۔ طبیب ہے یا شاعر ہے۔ اور انہی امتیازات سے کسی عالم کسی طبیب اور کسی شاعر کی شناخت میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ جبکو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ علم اور بصیرت سے بولتا ہے۔ صراط مستقیم پر قائم ہے۔ دینی تصلب کا نمونہ ہے۔ کوئی لالچ اور کسی کا جبر اس کو مرعوب نہیں کرتا۔ خدا کی مخلوق کی سچی خیر خواہی کرتا ہے۔ کتاب اور سنت کی روشنی میں حق کو جانتا ہے اور سمجھاتا ہے۔ علم اور تفقہ کو معاش نہیں بناتا مسجد اور کالج میں اسکی تلقین اسکی تبلیغ اور اس کے وعظ کا ایک رنگ ہے۔ تو ہمیں یقین ہوتا ہے کہ وہ عالم ہے۔ صحیح علم کا حامل ہے۔ علم کے مقام پر کھڑا ہے۔ علم کا حق ادا کرتا ہے۔ علمائے حق کا ایک فرد ہے۔ اور جبکو ہم دیکھتے ہیں کہ مسجد اور خانقاہ میں اس کے وعظ کا رنگ اور ہوتا ہے سکول اور کالج میں اسکی تقریر کا اور ڈھب ہوتا ہے۔ عوام میں اس کا لہجہ کچھ ہوتا ہے۔ اور درباروں میں اسکی زبان دوسری ہوتی ہے۔ اور معاشی کاروبار کو علم اور اسلام کے نام سے چکایا ہے۔ تو ہمیں یقین ہوتا ہے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے علم اور اسلام کو بیوپار بنایا ہے۔ اور علم اور اسلام کے نام سے اس کے ہاتھ میں ایک پھندا ہے۔ جس سے وہ شکار کھیلتا ہے۔ علمائے سوء کا ایک فرد ہے۔ اگرچہ یہ نتائج ہمارے فکر و نظر سے نہیں پیدا ہوتے۔ بدیہی طور پر یہ حقائق ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اسی طرح اطباء اور شعراء کی شناخت انکی خصوصیات سے بآسانی ہوتی ہے۔ ہاں جن کو مذکورہ انواع کی تاریخ کا صحیح علم نہیں ہے۔ ان کے لئے علماء اطباء اور شعراء کی نوع کی شناخت بھی دشوار ہے۔ اسی طرح انبیاءؑ کا گروہ عالم کی آفرینش سے کر

حضورؐ کے زمانہ تک ہوتا چلا آیا ہے۔ ان کی ایک تاریخ حیات اور معروف مسلم سیرت ہے۔ ان کے خصوصی امتیازات معلوم ہیں۔ جن حضرات کو انکی تاریخ کا ان کی سیرت کا اور انکے خصوصی امتیازات کا صحیح علم ہے۔ ان کے لئے انبیاءؑ کی معرفت بدیہی ہے۔ کسی بحث و نظر کی محتاج نہیں۔

فارابی اور ابن سینا جیسے عقلمندوں کو نبی کی شناخت کا بدیہی مسئلہ حل نہیں ہوا۔ اور آج بھی نبوت کا مسئلہ الجھا ہوا ہے۔ اور اسکی وجہ صرف یہی ہے۔ کہ ایسے عقلمندوں کو انبیاء کے صحیح حالات نہیں پہنچے یا انبیاءؑ کی سیرت کا بغور مطالعہ نہیں کیا۔ اور صرف اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔ جیسا کہ ابن سینا نے یہ لکھ دیا ہے کہ :

"نبوت کی تحقیق ہم نے اس وقت لکھدی جبکہ ہم کو ایک جماعت کے کچھ حالات پہنچے تو ہم نے چاہا کہ دوسری اشیاء کی طرح اس کے بھی کچھ اسباب لکھدیں"

اور پھر جو کچھ لکھا ہے اس سے نہ لکھنا بہتر تھا ......

فلاسفہ نے صرف اسلامی اصطلاحات کا استعمال کیا ہے۔ فلاسفہ نے نبوت کے لفظ کو استعمال کیا ہے۔ اور اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ مگر ان کی مراد اس لفظ کے استعمال اور اس کے اعتراف سے وہ نہیں ہے جسکو اہل حق مراد لیتے ہیں۔ مسائرہ کی شرح مسامرہ میں مذکور ہے :

"فلاسفہ نبوت کو ثابت کرتے اور اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ مگر اسطرح نہیں جیسا کہ اہل حق نے اس کا اقرار کیا ہے۔ بلکہ فلاسفہ نے جس طریقہ سے نبوت کا اعتراف کیا ہے۔ وہ اہل حق کے طریقہ کا مخالف ہے۔ لہٰذا اس اعتراف سے وہ اپنے کفر سے باہر نہیں ہوتے۔ فلاسفہ نبوت کو کسبی سمجھتے ہیں۔ اور اللہ کے اختیار اور صفت اجتبا سے نبی کی بعثت کا انکار کرتے ہیں۔ فلاسفہ ملائکۃ اللہ کے نزول کا انکار کرتے ہیں۔ اس لئے اس کا بھی انکار کیا ہے۔ کہ فرشتہ اللہ کی وحی لے کر اللہ کی نبوت اور رسالت کا منصب دیتا ہے۔ فلاسفہ اجساد کے حشر جنت اور جہنم کی خبر کا جو بدیہی طور پر انبیاءؑ سے معلوم ہوئی ہے انکار کرتے ہیں۔ اور اسی انکار سے وہ کافر ہے۔ اگرچہ اسی طرح کی نبوت کا اقرار بھی کر دیا ہے جسکی مراد اور معنیٰ کو فلاسفہ نے از خود تراشا ہے۔ اور اسلام کی مراد اور نبوۃ کے معنی مقصود سے الگ رہے ہیں اسلام نے جس لفظ اور اصطلاح کی جو حقیقت بیان کی ہے۔ جب تک اس حقیقت کا اعتراف نہ کیا جائے تو صرف اسلامی لفظ اور

اسلامی اصطلاح کے استعمال سے اسلام ثابت نہیں ہوتا ہے۔ ابن سینا نے فارابی کی فلسفیانہ تعلیم کو نبھایا ہے۔ اور فارابی کی تقلید میں اس نے نبوت وغیرہ الفاظ کو استعمال کیا ہے۔ مگر جب تک یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ ان الفاظ کی حقیقت جو انبیاءؑ کے نزدیک ثابت تھی چوتھی اور پانچویں صدی میں فارابی اور ابن سینا نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے، اور ثابت رکھا ہے۔ ورنہ ان الفاظ کے استعمال کر لینے سے فارابی اور ابن سینا اسلامی تعلیمات کا حامل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مثلاً شرعی اصطلاح میں صلوٰۃ اور صوم ایک مخصوص اور معلوم حقیقت کا نام ہے اور جب تک ان الفاظ کی شرعی حقیقت کو تسلیم نہ کیا جائے تو ان الفاظ کے استعمال سے ہرگز یہ نہیں سمجھا جائے گا۔ کہ شرعی اصطلاح میں جس حقیقت کا نام صلوٰۃ اور صوم رکھا گیا تھا۔ مذکورہ الفاظ کے استعمال میں اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا ہے۔ عیسائی گرجاؤں میں اتوار کے دن نماز کا نام لیکر جاتے ہیں۔ ہندو روزہ کا نام لے کر روزہ رکھتے ہیں۔ مگر عیسائی اور ہندو نماز اور روزہ کی اس حقیقت کا اعتراف نہیں کرتے جس کا نام اسلام نے صلوٰۃ اور صوم رکھا تھا —— ختم نبوت اور نزول مسیح کے الفاظ امت مسلمہ میں متواتر چلے آئے ہیں۔ اور ان کے یہ معنی سمجھے گئے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کی جدید نبوت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اور تاریخ کے صفحات نے ہمیشہ اسکی تائید کی ہے۔ اور جس دور میں بھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو امت نے نبوت کی کسی قسم کی تحقیق کئے بغیر اس کو کاذبین اور دجالین کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ مسیلمہ اور اسود کی تاریخ نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ زمانہ کے دستور کے مطابق اگر کسی جماعت نے دعویدار نبوت کی تصدیق بھی کی ہے۔ تو مسلمانوں کی جماعت سے تاریخ نے ہمیشہ اس کو علیحدہ شمار کیا ہے۔ اور ختم نبوت کی حقیقت شناسوں کے فیصلوں نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ امت مسلمہ نے ختم نبوت کے جس متواتر اور مسلسل معنی کو تسلیم کیا ہے۔ اس کے خلاف کسی مفہوم کے جواز اور امکان کے لئے نبوت یا ختم نبوت کے مفہوم میں کسی قسم کی تاویل برداشت نہیں کی گئی ہے۔ اور ایسے متأول کو ختم نبوت کے قطعی معنی کا منکر قرار دیا گیا ہے۔

حافظ شاطبیؒ کتاب الاعتصام میں فازازی کا واقعہ لکھتے ہیں :

" فازازی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اخبار بالمغیبات اور کرامات کے موہوم امور کو اپنی نبوت کے دلائل میں پیش کرتا تھا ۔ اور خاتم النبیین کے اقرار کے باوجود اسکی ایسی تاویل کرتا تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے آنے کے لئے موقع ممکن تھا ۔ وقت کے علماء کے شیخ ابی جعفر ابن زبیر نے اس کے قتل کا فیصلہ دیا تھا ۔"

اسی طرح نزول مسیح کے لفظ کا امت مسلمہ نے یہ معنی سمجھا ہے کہ حضرت مسیح اپنے اسی جسد عنصری کے ساتھ بنفس نفیس تشریف لانے والے ہیں ۔ اور نزول مسیح کا یہ مفہوم کہ اس امت میں حضرت مسیح کا کوئی معنوی نظیر یا مشابہہ شخص پیدا ہو گا ۔ خود ساختہ بنایا ہوا معنی ہے ۔ اس لئے اگر کوئی شخص یا گروہ ختم نبوت اور نزول مسیح کا لفظ استعمال کرتا ہے ۔ مگر ختم نبوۃ اور نزول مسیح کے ایسے معنی کا انکار کرتا ہے ۔ جس کے لئے امت مسلمہ کے تواتر نے ختم نبوت اور نزول مسیح کے لفظ کا استعمال کیا ہے ۔ تو صرف ان الفاظ کے استعمال سے مسلمانوں کی جماعت میں ایسے شخص اور ایسے گروہ کا شمار نہیں ہو گا ۔ جیسا کہ فلاسفہ کو نبوت اور معجزات کے الفاظ کے استعمال کرنے سے مسلمانوں کے عقائد سے متفق نہیں سمجھا جا سکتا ہے ۔

نبی اور رسول کا انتخاب نبوت اور رسالت کسی کے اخلاص اور محبت کا صلہ یا عبادت اور ریاضت کا معاوضہ یا کسی بادشاہ اور ملکہ کی تحریک اور نیت کا خیرات نہیں ہے ۔ جیسا کہ پنجاب کے متنبی مرزا غلام احمد نے ستارہ قیصرہ میں لکھا ہے :

" اے بابرکت قیصرہ ہند ! تجھے یہ تیری عظمت اور نیک نامی مبارک ہو خدا کی نگاہیں اس ملک پر ہیں جس پر تیری نگاہیں ہیں خدا کی رحمت کا ہاتھ اس رعایا پر ہے جس پر تیرا ہاتھ ہے ۔ تیری ہی پاک نیتوں کی تحریک سے خدا نے مجھے بھیجا ہے ۔ تاکہ پرہیزگاری اور نیک اخلاق اور صلحکاری کی راہوں کو دوبارہ دنیا میں قائم کروں ۔"

اور لکھا ہے :

" سو یہ مسیح موعود جو دنیا میں آیا تیرے ہی وجود کی برکت اور دلی نیک نیتی اور سچی ہمدردی کا نتیجہ ہے ۔"

جس کی نبوت برطانیہ کی ملکہ ہی کی برکت اور سچی ہمدردی کا نتیجہ اور نیک نیتی سے تحریک کا انجام ہے

اور صرف خدا کی صفت اجتبیٰ اور اصطفا کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے۔ اہل اسلام ایسی نبوت کو نبوت کا نام دینا بھی بڑا ظلم اور بے انتہا جرم سمجھتے ہیں۔ نبوت کسبی نہیں ہے۔ اس لئے رسول اور نبی خود نہیں بنتے۔ نبی اور رسول کی عبادت کو اسکی نبوت اور عبادت میں کوئی دخل اور اثر قطعاً نہیں ہے۔ نبی اللہ کی سب سے زیادہ عبادت کرتے ہیں۔ مگر نبوت سے پہلے بھی اسکی عبادت اس لئے ہوتی ہے کہ اسکی پاکیزہ اور صاف زندگی ملک اور قوم کی نظر میں نمایاں کی جائے تاکہ وہ جب اپنی نبوت کا اعلان کریں تو ان کی زندگی ہی ان کی تصدیق کا بڑا اور مؤثر سبب ثابت ہو۔ تمام انبیاءؑ کی سیرت انکی نبوت کی سب سے بڑی شہادت ہوتی ہے۔ نبی اور رسول کا مفہوم اس حقیقت کی وضاحت کرتا ہے۔ کہ انبیاءؑ عام انسانوں اور حق تعالیٰ کے درمیان پیغامبری اور سفارت کیلئے بھیجے جاتے ہیں۔ تاکہ انبیاءؑ کے واسطے سے لوگ حق تعالیٰ کے پیغامات کو سیکھیں اور ان پر عمل کریں۔ اور ان کی زندگی طیب اور پاکیزہ زندگی ہو۔ انبیاءؑ کسی شخص یا کسی قوم کی امداد یا مقصد براری کے لئے نہیں بھیجے جاتے۔ جیسا کہ پنجاب کے متنبی مرزا غلام احمد نے مذکورہ کتاب میں یہ لکھا ہے:

"سو اس نے اپنے قدیم وعدہ کے موافق آسمان سے مجھے بھیجا ہے۔ تاکہ میں حضور ملکہ معظمہ کے نیک اور بابرکت مقاصد کی اعانت میں مشغول ہوں"

بلکہ انبیاءؑ کے وظائف قوم اور ملت کی تطہیر اور تزکیہ کتاب اور سنت کی تعلیم و تفہیم اور اللہ تعالیٰ کی پیغامات رسانی ہوتے ہیں جس کسی نے کسی انسان کی مقصد براری میں اعانت اور کوشش کی ہے۔ تو ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ چاپلوس ہے۔ دولت کا بھوکا ہے۔ اور اقتدار کی عزت پر جان و ایمان سے فدا ہے۔ اور یقیناً نبوت اور رسالت کے لفظ کو اس نے دنی اور رذیل اغراض و مقاصد کے حصول کیلئے استعمال کیا ہے۔ اور نبوت کی واقعی حقیقت سے وہ بالکل اجنبی اور دور ہے۔ اگر کسی انسان کے کسب و انتساب میں نبوت کو حاصل کرنا ممکن ہوتا تو انبیاء کی بعثت کے لئے ایسا دور زیادہ موزوں ہوتا جس میں عبادت کرنے والوں کی کثرت اور عبادت کی زیادتی ہوتی لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس قدر عباد کی کثرت اور عبادت کی زیادتی ہوئی اسی قدر انبیاءؑ کی آمد میں تاخیر ہوئی ہے۔ اور گمراہی اور ضلالت نے جس قدر شدت اختیار کی ہے۔ اسی قدر رسولوں کی آمد کا زمانہ قریب تر ہو گیا ہے۔ انبیاءؑ کی تمام تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ جب کوئی رسول آگیا ہے تو اسکی زیر قیادت کوئی زیادہ عبادت کرنے والا رسول بنا ہے۔ بلکہ تاریخی واقعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ جب کسی رسول کی تعلیمات کے نقوش مٹنے لگے تو ایسے رسول کی آمد ہوئی ہے۔ جن کلا پہنی

شریعت کے ساتھ کوئی تعلق بھی نہیں تھا۔ اس لئے یہ نتیجہ نکالنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ انبیاءؑ عبادت اور ریاضت سے نہیں بنتے ہیں۔ بلکہ اللہ سے بنے بنائے آتے ہیں۔

قرآن شریف میں ارشاد ہے :

"اے آدم کی اولاد ! اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم میں سے کہ سنائیں تم کو میری آیتیں۔"

یہ آیت اسطرف اشارہ کرتی ہے۔ کہ بنی آدم کے پاس اللہ کیطرف سے اسطرح رسول آئے گا جس طرح کہ حکومت کی جانب سے کوئی حاکم مقرر ہو کر آتا ہے۔ حق تعالیٰ انبیاءؑ کی تربیت کرتا ہے۔ انبیاءؑ کی تعلیم کا انتظام کرتا ہے۔ انبیاءؑ کے جسمانی تحفظ کی ذمہ داری لیتا ہے۔ انبیاءؑ کے عواطف اور میلان قلبی کی بھی نگرانی رکھتا ہے۔ نظر ربوبیت شروع ہی سے انبیاءؑ کی ایک الگ نوع پیدا کرتی اور نبوت اور رسالت کیلئے انتخاب فرماتی ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے :

"اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند کرے جسکو چاہے ان کے ہاتھ میں نہیں ہے پسند کرنا"

انبیاءؑ کے انتخاب کا حق صرف اللہ ہی کو ہے۔ جس کو بھی جس منصب اور جس مرتبہ پر فائز فرمائے، اللہ ہی کا اختیار ہے، اللہ کے سوا کسی کو بھی انبیاءؑ کے انتخاب اور اجتبا کا حق نہیں ہے۔ اور نہ کوئی خود اپنی کوشش اور ارادہ سے آسکتا ہے قرآن شریف میں ارشاد ہے :

"اللہ انتخاب کرتا ہے فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے اور آدمیوں میں اللہ سنتا ہے، دیکھتا ہے۔"

اللہ کی پیغام رسانی کیلئے فرشتہ کا انتخاب بھی اللہ کرتا ہے اور انسان کو بھی اس منصب کے لئے اللہ ہی انتخاب کرتا ہے۔ اللہ ہی ان کے ماضی اور مستقبل کے تمام احوال کو دیکھتا ہے۔ اس لئے اللہ ہی کو حق ہے کہ جس کے احوال اور استعداد پر نظر کرکے منصب رسالت پر فائز کرے۔

قرآن شریف میں ارشاد ہے :

"اللہ خوب جانتا ہے کہ جہاں بھیجے اپنا پیغام۔"

اللہ ہی کو معلوم ہے کہ رسالت کا محل کونسا ہے۔ اور وہ اپنی پیغامبری کس کو عنایت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون رسالت کا اہل ہے۔ اور اس عظیم الشان امانت الٰہیہ کا حامل بن سکتا ہے۔ اور اللہ کی رسالت کے منصب سے سرفراز کیا جائے۔ اس آیت سے جسطرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی رسالت کسبی نہیں ہے بلکہ وہبی ہے اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ رسالت اور نبوت کا منصب

جن خصوصی علوم اور ملکات پر عنایت ہوتا ہے، ان کا علم بھی اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں ہے۔ اسلئے ایسے علوم اور ملکات کا انتخاب بھی کوئی دوسرا نہیں کر سکتا اور نہ ایسے علوم اور ملکات کے لئے کوئی درسگاہ تجویز کی جا سکتی ہے ۔ شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ الیواقیت والجواہر صفحہ ۲۷-۲۸ ج ۲ میں لکھتے ہیں:

"ابن عربیؒ فرماتے ہیں نبوت کسبی نہیں ہے۔ نبوت کو مکتسب سمجھنا وہم اور تصور نظر ہے۔ اور فرمایا جس نے نبوت کو مکتسب کہا اس نے خطا کی۔ اس لئے کہ نبوت قطعاً اختصاص الٰہیہ ہے۔ اور جس نے کہا کہ نبوت مکتسب ہے۔ اس نے خیال کیا ہے کہ نبوت اللہ کیطرف سے نہیں ہے۔ بلکہ نبوت ارواح علویہ اور عقل کا فیض ہے۔"

اور شیخ شعرانیؒ نے اسی کتاب کے صفحہ ۱۶۲ ج ۱ پر لکھا ہے :

نبوت کسبی نہیں ہے۔ کہ عبادت اور ریاضت سے حاصل کی جائے۔ جیسا کہ بیوقوفوں کی جماعت نے خیال کیا ہے۔ بلکہ نبوت کا تعلق اللہ کی صفت اصطفا اور اجتبا کے ساتھ ہے۔ مالکیہ وغیرہ حضرات نے ایسے شخص کو کافر کہا ہے۔ جس نے نبوت کو کسبی کہا۔"

اس لئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جکی نبوت کی بحث میں یہ ذکر کیا جاتا ہے۔ کہ اسکی طبیعت ابتدا سے خلوت اور ریاضت پر مائل تھی یا عبادت کی کثرت اس کا زیادہ شغل تھا۔ اگر یہ درست بھی ہو۔ تو اس کو نبوت کی بنیاد بنانا یا سمجھنا بالکل فضول اور لغو ہے۔ اس لئے کہ وہ نبوت کی بنیاد ہی نہیں ہے۔

(باقی آئندہ)

صفحہ ۳۳ سے آگے :

زیادہ روادار تھا۔ مگر زنادقہ کے وجود کو بھی برداشت نہیں کر سکا۔ اور مہدی نے اس گمراہ فرقہ کے ساتھ جبر و تشدد کا جو معاملہ کیا تھا وہی مامون نے بھی اس کے ساتھ کیا۔

علماء ربانیین کے دوش بدوش صوفیاء کرام کا بھی ایک گروہ تھا جو سلطنت و حکومت کے ہنگاموں سے الگ غیر مسلموں کو مسلمان اور مسلمانوں کو پختہ تر مسلمان بنانے میں نہایت خاموشی کے ساتھ مصروف تھا۔ یہ حضرات ایک طرف روحانی ریاضتوں اور باطنی اعمال و افعال کے ذریعہ مسلمانوں کا تزکیۂ نفس کرتے تھے۔ اور دوسری جانب ملک ملک کی خاک چھان کر اسلام کا پیغام دوسروں تک پہنچاتے تھے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان، افریقہ، چین اور جزائر شرق الہند، جاوا، سماٹرا، ملایا، بورنیو، نیو گنی سلیبیز اور فلپائن ان سب مقامات پر اسلام کی اشاعت بڑی حد تک صوفیاء کرام کی کوششوں کی ہی رہین منت ہے۔ جو شخص تبلیغ اسلام کے لئے تن تنہا یا اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت لیکر یہاں آئے

باقی صفحہ ۵۸ پر

دار الافتاء میں مختلف خطوط آتے رہتے ہیں جن میں پوچھا جاتا ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں سورج اور چاند تک جانا ممکن ہے یا نہیں اور ایک مسلمان کا اس کے متعلق کیا عقیدہ ہونا چاہئے؟ اس کے متعلق عرض ہے کہ :-

عقیدۂ اسلامی | انسان کیلئے سورج اور چاند پر چڑھنا ممکن ہے۔ اور اس سے قرآن و حدیث اور حکمت ایمانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ حکمت یونانی پر اس کا اثر پڑتا ہے ۔۔ اس عقیدہ پر بہت سے دلائل موجود ہیں۔ اختصار کی وجہ سے صرف تین دلائل پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

دلیل اول | حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے کہ وہ آسمان کو جسد عنصری کے ساتھ اٹھائے گئے ہیں۔ اور یہ عقیدہ قرآن و حدیث اور اقوال سلف اور اجماع امت سے روز روشن کیطرح ثابت ہے۔ تو اگر خلائی سفر ناممکن ہوتا تو عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف نہ اٹھایا جاتا۔

دلیل دوم | خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات کو جسد اطہر کے ساتھ آسمانوں کیطرف اٹھائے گئے اور سدرۃ المنتہیٰ بلکہ اس سے بھی بلند مقام تک پہنچائے گئے۔ قرآن اور ذخیرۂ احادیث سے یہ امر بخوبی واضح ہے۔ تو معلوم ہوا کہ خلائی سفر انسان کے لئے اگرچہ خلاف عادت ہے لیکن خلاف شریعت نہیں ہے۔

دلیل سوم | اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : وان کان کبر علیک اعراضھم فان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض او سلما فی السماء فتاتیھم بآیۃ ۔ (سورۃ انعام) "اگر آپ یہی چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح یہ کافر مسلمان ہی ہو جائیں تو آپ خود اس کا انتظام کیجئے اور اسباب کو مہیا کر کے ان کے ذریعے سے زمین یا آسمان میں جا کر کوئی فرمائشی معجزہ لے آئیے اگر آپ کو قدرت ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں معجزہ کے غیر اختیاری ہونے اور تسلی دینے کے ضمن میں۔ زمین کے اندر جانے اور آسمان پر چڑھنے کے اسباب کے ممکن ہونے کیطرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ لہٰذا یہ ایک ناممکن چیز نہیں ہے۔ بلکہ ممکن اور شدنی امر ہے۔

قرآن و حدیث کی رو سے مسلمان اور کافر میں یہ فرق موجود ہے کہ کافر کی روح خواہ جسم کے ساتھ ہو یا جسم کے بغیر، آسمان تک جا سکتی ہے۔ لیکن آسمان پر چڑھ نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : ان الذین کذبوا بآیاتنا واستکبروا عنھا لا تفتح لھم ابواب السماء ولا یدخلون الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط۔ "جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور بوجہ تکبر اس سے اعراض کرتے ہیں۔ ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور کبھی جنت میں نہ جائیں گے۔ جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ کے اندر نہ چلا جائے۔" (اعراف۔ ع ۵)

اور پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں : فیستفتح لہ فلا یفتح لہ ثم قرء الآیۃ المذکورۃ ثم تطرح روحہ (رواہ احمد مشکوٰۃ ص ۱۵۶) "کافر کی روح کیلئے آسمان کے کھولنے کا مطالبہ کیا جائیگا تو اس کے لئے نہ کھولا جائے گا، اور اسے پھینکا جائیگا۔"

ایک شبہ | یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ صحیحین کی روایت میں آیا ہے کہ معراج کی رات کو پیغمبر اسلام نے آسمان اول میں آدم علیہ السلام کو ملاقات کے وقت ایک عجیب حالت میں پایا وہ یہ کہ ان کے دائیں بائیں کچھ اشخاص نظر آتے تھے۔ تو جب حضرت آدمؑ دائیں طرف دیکھتے تو ہنستے اور جب بائیں طرف دیکھتے تو رو پڑتے۔ آپ کے استفسار پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ دائیں طرف جنتی ہیں اور بائیں طرف دوزخی ہیں ___ تو سوال یہ ہے کہ دوزخی اور کافر کس طرح آسمان میں نظر آئے۔ حالانکہ کافروں کے ارواح اور اجسام آسمان پر نہیں چڑھ سکتے۔

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ قرآن و حدیث میں ان ارواح کے نہ چڑھنے کا ذکر ہے۔ جو کہ جسم میں داخل ہو چکے ہیں۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کے پاس وہ ارواح تھے جو کہ ابھی تک جسم میں داخل

نہیں کیئے گئے تھے۔ اور ابھی تک ان سے کفر کا ظہور نہ ہوا تھا۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ بعض ارواح اسی وقت زمین پر اجسام میں تھے اور بعض ارواح سجین میں تھے۔
اور بعض اس جگہ میں تھے جو کہ جسم کے تعلق سے پہلے ان کا مستقر ہے۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام اور پیغمبر علیہ السلام کو کشف کی وجہ سے قریب اور آسمان میں دکھائے گئے۔

صعود شمس و قمر | قرآن و حدیث میں سورج اور چاند کے مقام کے متعلق سکوت ہے۔ اور کل فی فلک یسبحون ؕ سے یہ فہم کیا جائے کہ یہ آسمان میں ہیں۔ کیونکہ فلک گول چیز کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ شمس و قمر کی حرکت مستدیر ہے۔ اس لئے اس کے مدار کو فلک فرمایا خواہ وہ آسمان ہو یا وہ فضا جو دو آسمانوں کے درمیان ہے۔ یا وہ فضا جو زمین اور آسمان کے درمیان ہے۔ اور یا آسمان کی تحتی پر۔ سلف صالحین سے تفسیر در منثور وغیرہ میں مختلف تفسیریں منقول ہیں۔ علامہ آلوسی بغدادی کل فی فلک یسبحون کی تفسیر میں فرماتے ہیں: وقال اکثر المفسرین ھو موج مکفوف تحت السماء تجری فیہ الشمس والقمر۔ "اکثر مفسرین کہتے ہیں اس سے مراد آسمان کے تلے موج مکفوف ہے جس میں سورج اور چاند اپنی گردش کرتا ہے۔"
البتہ یونانی حکماء کہتے ہیں کہ چاند پہلے آسمان میں ہے اور سورج چھوتے آسمان میں ہے۔ تو اگر کوئی کافر انسان چاند یا سورج میں گیا تو قرآن و حدیث کے تقاضا کے موافق ہم اس نتیجہ کو پہنچیں گے۔ کہ چاند اور سورج آسمان سے نیچے ہیں اور یہ حکمت یونانی کا عقیدہ غلط ہے کہ چاند اور سورج آسمان میں ہیں ورنہ کافر اس تک نہ جا سکتے۔ بہر حال اس کا اثر حکمت ایمانی پر نہ پڑے گا۔ بلکہ حکمت یونانی پر پڑے گا۔

بعث ارباب عروج | سورج اور چاند میں پہنچنے کے بعد اگر کوئی وہاں مر جائے تو اس کے متعلق قرآن پاک کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کے بدن کے تمام اجزاء یا بعض زمین کو نفخ ثانی سے پہلے (دنیا میں یا قیامت میں نفخ اول کے بعد) پہنچیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: منھا خلقنٰکم وفیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارۃ اخریٰ۔ (سورۃ طٰہٰ ۵۵) "ہم نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے۔ اور اسی میں دوبارہ لوٹا دیں گے۔ اور اسی سے دوبارہ تمہیں نکالیں گے۔"

واللہ اعلم وعلمہ اتم

مولانا مہر محمد صاحب درجہ تخصص فی الحدیث
مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی

قرآن کریم اور محدثین کے اقوال کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے آنحضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ہستیٔ دنیا میں معلم و مبلغ بنا کر بھیجا اور خاتم الرسل والانبیاء کے منصب جلیل سے سرفراز فرما کر اپنا ازلی و ابدی کلام، قرآن حکیم کی شکل میں ابد الآباد تک عالمی ہدایت کے لئے نازل فرمایا اور آپکو اس فریضے کا مکلف ٹھہرایا کہ جیسے آپ اپنی عملی زندگی اور اپنے اسوۂ حیات کے ہر شعبے سے قرآن کریم کی فعلی تفسیر کرکے عالم دنیا کو اتباع کی دعوت دیں ایسے ہی اپنے اقوال وارشادات سے قرآن کریم کے احکام کی توضیح و تشریح کریں اور منشاء و مراد خداوندی کو واضح کرکے سمجھائیں۔

ضرورت تفسیر اور حدیث کی اہمیت یہ بات تو واضح ہے کہ متکلم جس طرح سامعین کے عقول و اذہان کا خیال رکھتا ہے، اور حتی المقدور اس انداز میں کلام کرتا ہے۔ کہ فی الجملہ سامعین آسانی سے سمجھ سکیں اسی طرح وہ اپنے منصب و مقام اور علمیت کے پیش نظر معیاری کلام پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے دینی و دنیوی علوم میں سے کسی شعبے کے ماہر فن کا کلام۔ فصاحت و بلاغت، اسرار و حکم اور عقدہ کشائی کے معیار یقیناً اس شخص کے کلام سے اعلیٰ اور افضل ہوگا، جسے اتنی مہارت حاصل نہیں جتنا کلام معیاری اور جامع ہوگا۔ اتنا ہی اپنے اسرار و حکم و رموز کے اظہار کے لئے محتاج تشریح و تفسیر ہوگا۔ تاکہ عوام و خواص اس سے یکساں فائدہ اٹھا سکیں یہ تشریح اور توضیح متکلم کے سوا وہ شخص بھی کرسکتا ہے۔ جسے متکلم کے علوم سے خاص دلچسپی ہو اور ان میں ید طولیٰ رکھتا ہو۔

جب یہ قاعدہ عام بلغاء کے کلام میں مسلم ہے۔ تو اللہ رب العزت کے کلام کا کیا کہنا۔ اسکا عز و شرف تو تصور و خیال سے بھی برتر ہے۔ حدیث مرفوع میں آیا ہے۔ کہ اللہ کے کلام کی فضیلت

مخلوق کے کلام پر ایسی ہے، جیسے خود خالق کی مخلوق

لہذا باری تعالیٰ کا کلام معجزہ ہے۔ تمام مخلوقات اجتماعی طور پر بھی ایک آیت یا اس کا کچھ حصہ بنا سکنے پر قدرت نہیں رکھتی اور جیسے جامعیت معنیٰ فصاحت وبلاغت وغیرہ امور کثیرہ کی رو سے اسکی نظیر مقدور انسانی سے باہر ہے۔ ایسے ہی اسرار وحکم اور دقائق معانی اپنے عمق میں پنہاں رکھنے کی بدولت اپنی مثال آپ ہے ۔۔۔ لہذا اصولاً ایک ایسی ہستی کی ضرورت ہے۔ جو باری تعالیٰ کے احکام کی تشریح کر کے سمجھائے۔ غایات وعلل پر روشنی ڈالے، پوشیدہ معانی ولطائف کو واضح کر کے مبہم ومجمل مقامات خداوندی کو متعین کرے اور کلام اللہ کی تفہیم میں خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہو۔

جناب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ قرآن میں اللہ اور اسکی مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں، تو اسکی توضیح وتشریح میں بھی اولاً آپ ہی کا حق ہے۔ اور سمجھانے میں اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں ۔۔۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ میں جو قرآن کریم کے کسی حکم کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں تو وہ بھی وحی من اللہ ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسی کو حدیث وسنت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حدیث کا اکثر ذخیرہ اگرچہ متواتر نہیں مگر بلاشبہ یہ عقیدہ متواتر اور مسلمہ از صحابہ کرام تا امروز چلا آرہا ہے۔ کہ حدیث قرآن کا بیان اور اسکی شرح ہے ۔۔۔ پس جو شخص قرآن کریم کی تشریعی حیثیت تسلیم کرتا ہے تو اُسے اس کے بیان وتفسیر (حدیث) کی بھی تشریعی حیثیت ماننی پڑے گی چونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ فیضان رحمت نازل ہوا اس لئے جیسے آپ منشاء ومراد خداوندی کو سمجھ سکتے ہیں۔ اور اسکی تشریح کر سکتے ہیں۔ ایسا مقام کسی اور کو کہاں نصیب ہوگا۔ تو قرآن کریم اور احادیث کا آپس میں اتنا گہرا ربط اور تعلق ہے۔ کہ اگر قرآن کریم بمنزلہ متن کے ہے۔ تو حدیث وسنت اسکی شرح احسن اور تفسیر مبین ہے۔ اگر قرآن کریم احکامات الٰہیہ کا نام ہے۔ تو حدیث وسنت اسکی عملی صورت واضح کرتی ہیں۔ اگر قرآن مجید مجموعہ قوانین اور ایک ضابطہ حیات کا نام ہے تو حدیث نے اسکی وضاحت اور جزئیات متعین کی ہیں۔ اگر قرآن عظیم ایک الہامی کتاب کو کہتے ہیں تو حدیث اس کے منشاء مراد کو واضح کرتی ہے ۔۔۔ اگر قرآن کریم نظام حیات کے قوانین کا مجموعہ ہے۔ تو اس کے عملاً نفاذ کے لئے حدیث وسنت ہی مشعل راہ ہے۔ اگر قرآن حکیم روح رواں ہے، تو حدیث وسنت ایک متحرک قالب کی شکل میں روح کی موجودگی پر دال ہے۔

فتنہ استشراق کی حدیث دشمنی | اصول اضداد کے تحت اسلام کو بھی خارجی اور داخلی دشمنوں

سے قدیماً وحدیثاً سابقہ آرہا ہے۔ قدیم زمانے میں اصحاب العدل والعقول یعنی معتزلہ اور خوارج نے حدیث کی اہمیت اور حجیت کا انکار کیا تھا۔ اور گوناگوں حربے استعمال کرکے اس میں تشکیک کی راہیں پیدا کرنے کی ناکام کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ اپنے دین کے محافظ ہیں۔ اعدائے اسلام کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ انکی کوششیں رائیگاں گئیں۔ اور حجیت حدیث وسنت کا عقیدہ جمہور امت مسلمہ میں متواتراً متوارثاً چلا آیا۔

سو اتفاق سے بیسویں صدی عیسوی میں یہود ونصاریٰ نے صلیبی جنگوں کا انتقام لینے کے لئے خفیہ ریشہ دوانیاں شروع کردیں۔ انہوں نے اسلامی علوم وفنون کی تحصیل اس لئے کی تاکہ انکی تردید کی جائے۔ اور تشکیک وتضعیف پیدا کرکے کم علم مسلمانوں کو اسلام سے متنفر کیا جائے اور تحقیق کی آڑ میں تحریف اور حقائق واقعیہ کو مسخ کرکے پیش کیا جائے۔ اسلام کی مشاہیر اور گرانقدر ہستیوں ائمہ حدیث رجال پر اکیک وناروا حملے کئے جائیں تاکہ ان کی عمر بھر کی مساعی جمیلہ سے لوگوں کو بدظن کردیا جائے۔ اور یوں حدیث وسنت کی اہمیت ختم کرکے قرآن کریم پر ہاتھ صاف کرنے کی راہ ہموار کی جائے۔

چنانچہ اس فتنۂ استشراق کو کچھ نہ کچھ کامیابی ہو رہی ہے۔ ان کے خفیہ ایجنٹ مسلم نما محققانہ رنگ میں عرب ممالک اور پاکستان ودیگر ممالک اسلامیہ میں اپنا زور قلم وتحریر اس بات پر صرف کر رہے ہیں کہ حدیث وسنت کوئی چیز نہیں، محض ظن غیر معتد بہ ہے۔ اتباع کے لئے صرف قرآن کریم کافی ہے۔

ان مستشرقین کا جد امجد اور استاد کامل بانیٔ فتنہ گولڈ زیہر یہودی ہے۔ اور شاخت، رینان بروشر، نیبرج، وغیرہ اس فتنے کے چلتے پھرتے پرزے ہیں جو شب وروز اسلامی روایات کی تخریب میں مصروف ہیں۔ سرکاری طور پر مغربی ممالک میں ان کے بڑے بڑے ادارے اور یونیورسٹیاں ہیں جن میں پاکستان ودیگر ممالک اسلامیہ کے طلباء تحصیل علم کے لئے جا پھنستے ہیں۔ اسلامی روایات سے کم علمی کی بدولت پھر ان کے اسلام کے خلاف آراء ونظریات کو اپنا کر تحقیق کے نام پر اسلام میں الحاد پھیلاتے ہیں۔ علوم اسلامیہ خصوصاً فقہ، تفسیر، حدیث، تصوف وغیرہ میں تشکیک پیدا کرتے ہیں اور اہل اسلام کو ان سے بدظن کرتے ہیں۔ مثال کے طور مسٹر غلام احمد پرویز، ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب ڈائرکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی اور ان کے ہمشرب اپنی تحقیق میں مشہور ہیں۔۔۔۔ درحقیقت یہ وقت کا اہم اور بہت مضر فتنہ ہے۔ اگر پوری قوت سے اسکی سرکوبی نہ کی گئی تو خدانخواستہ ملت اسلامیہ کو سنگین نتائج سے دوچار ہونے کا امکان ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو اپنی معلومات اور طاقت کے

موافق اسکی بیخ کنی کرنی چاہیئے۔ سرِ دست یہ مقالہ اس چیز کو مدِ نظر رکھ کر لکھا جا رہا ہے۔ کہ حدیث و سنت کی اہمیت اور اسلام میں تشریعی مقام (جو بیسیوں آیات قرآنیہ سے ثابت ہے۔ اور قرآن حکیم پر ایمان لاتے والے اور سمجھنے والے کو لحہ بھر بھی اس خیال کی گنجائش نہیں مل سکتی کہ وہ حدیث کی تشریعی حیثیت کا انکار کرے اور محض اپنے فہم و تخمینہ اور ڈکشنری کی مدد سے قرآن فہمی کی کوشش کرے) نصوصِ قرآنیہ سے واضح کیا جائے، تاکہ مغربی تعلیمیافتہ طبقہ مستشرقین کے اس گمراہ کن پروپیگنڈہ سے متاثر نہ ہو۔۔۔۔ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ آیاتِ قرآنیہ پیش کرنے سے قبل تمہیداً حدیث و سنت کا معنی اور مصداق واضح کیا جائے۔

حدیث کی تعریف | علامہ شبیر احمد عثمانی مقدمہ فتح الملہم صحیح پر لکھتے ہیں۔

قال العلماء رحمہم اللہ تعالیٰ الحدیث اقوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وافعالہ ویدخل فی افعالہ تقریرہ وھو عدم انکارہ لامر رآہ او بلغہ عمن یکون منقاداً للشرع۔	علماء حدیث نے حدیث کی تعریف یہ کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کا نام حدیث ہے۔ اور افعال میں آپکی تقریر بھی شامل ہے۔ تقریر کا معنی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام ہوتا دیکھا یا کسی مسلمان کے فعل کی خبر آپ کو پہنچی تو آپ نے اس پر انکار نہ فرمایا ہو۔

توجیہ النظر ص۲ وغیرہ میں بھی یہی تعریف کی گئی ہے۔

بعض حضرات نے تعمیم کی ہے۔ اور آپ کے احوال شخصیہ عادات و اوصاف وغیرہ پر بھی حدیث کا اطلاق کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نخبۃ الفکر میں کہتے ہیں۔ کہ اہل حدیث کے ہاں خبر حدیث کے مترادف ہے۔ پس اس لحاظ سے دونوں کا معنی اور مصداق ایک ہے۔ بعض علماء نے یہ فرق کیا ہے۔ کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب ہو وہ حدیث ہے۔ جو کسی اور کی طرف ہو وہ خبر ہے۔

سنت کا معنی اور مصداق | کتاب و سنت ایسی ہی خاص شرعی اصطلاحات ہیں، جیسے صلوٰۃ زکوٰۃ صوم و حج جیسے ان اصطلاحات کا ایک خاص موضوع لہ حقیقی معنی ہے۔ اور متعین ہے۔ تو اسی طرح کتاب کے حقیقی معنی و مصداق کتاب اللہ (قرآن کریم) اور سنت کا حقیقی معنی سنت رسول اللہ اور حدیث متعین ہیں۔ اور بغیر اضافت و صلہ کے حقیقی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ علامہ عبدالعزیز فرھاروی کوثر النبی ص۳ پر لکھتے ہیں:

السنۃ تستعمل مرادفۃ للحدیث و — سنت کا لفظ حدیث کے ہم معنی استعمال ہوتا ہے۔

بمعنی الطریق المرضی من کتاب وحدیث (یعنی آپکا قول فعل) اور یہاں معنی بھی مستعمل ہے۔

او اجماع او قیاس صحیح۔ کہ وہ پسندیدہ طریقہ جو کتاب اللہ حدیث نبوی اجماع امت اور قیاس صحیح سے ثابت ہو۔

جب بھی احکام شرعیہ کے مآخذ کے ذیل میں لفظ سنت آئیگا۔ اور بغیر اضافت یا کسی صفت کے استعمال ہوگا۔ تو اس کے معنی سنت رسول اللہ یعنی حدیث متعین ہوں گے۔ جیسے کتاب کے معنی کتاب اللہ متعین ہیں ـــــ لیکن یہی لفظ سنت جب اسلامی تعلیمات میں اضافت کے ساتھ استعمال ہوگا۔ مثلاً سنت اللہ یا سنن الاولین یا سنن من قبلنا۔ (گذشتہ قوموں اور امتوں کا طریقہ و انجام) یا سنت خلفاء راشدین۔ یا سنت صحابہ یا سنت اہل مدینہ یا سنت اہل حجاز یا سنت المسلمین۔ تو یہ لفظ سنت کا استعمال مجازی ہوگا۔ اور مضاف الیہ کے اعتبار سے الگ الگ معنی ہوں گے۔

سنت کا لغوی معنی | چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے:۔

۱۔ ابن درید المتوفی ۳۲۱ھ کتاب الجمہرہ میں لفظ سنت کے تحت لکھتے ہیں:

والسُّنّة معروفة وسنّ فلان سنة حسنة او قبيحة يَسُنّها سنًّا۔

سنت کے معنی (عام راستہ) معروف ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ فلاں شخص نے اچھی یا بری سنت (طریقہ) جاری کی مضارع یسن (نصر سے) آتا ہے۔ اور مصدر سنًّا۔

۲۔ امام راغب اصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ اپنی کتاب مفردات القرآن میں لفظ سنت کے تحت لکھتے ہیں:

وسنة النبي طريقته التي كان يتحراها وسنة الله تعالى قد تقال لطريقة حكمته وطريقة طاعته نحو سنة الله التي قد خلت من قبل ولن تجد لسنة الله تبديلا۔ (احزاب)

نبی کی سنت کے معنی ہیں آپ کا وہ طریقہ جو (بحیثیت پیغمبر آپ اختیار فرماتے تھے) اور اللہ کی سنت کے معنی کبھی اللہ کے طریق حکمت اور طریقہ طاعت کے ہوتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اللہ کا وہ طریقہ (طاعت و عبادت) جو پہلے سے چلا آرہا ہے۔ تم اللہ کے طریقے میں کوئی تغیر و تبدل نہ پاؤگے۔

۳۔ علامہ زمخشری المتوفی ۵۳۸ھ اپنی کتاب الاساس میں لفظ سنت کے تحت لکھتے ہیں:

من سن سنة حسنة اى طرق طريقة حسنة واستن بسنته

فلاں شخص نے سنت حسنہ جاری کی یعنی اچھا طریقہ تجویز کیا اور فلاں شخص کی سنت کی پیروی

فلان تسنن عامل بسنۃ ۔ کا یعنی اس کے طریقہ پر عمل کیا۔

۴۔ حافظ مجد الدین بن اثیر المتوفی سنہ ۶۰۶ھ اپنی کتاب نہایہ میں لکھتے ہیں:

قد تکرر فی الحدیث ذکر السنۃ وما تصرف منہا والاصل فیہا الطریقۃ والسیرۃ واذا اطلقت فی الشرع فانما یراد بہا ما امر بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونہی عنہ وندب الیہ قولا وفعلا مما لم ینطق بہ الکتاب العزیز ولہذا یقال فی ادلۃ الشرع الکتاب والسنۃ ای القرآن والحدیث ۔

حدیث میں سنت اور اس کے مشتقات کا ذکر بار بار آتا ہے۔ اصل لغت میں تو سنت کا معنی طریقہ اور سیرت کے ہیں۔ لیکن جب شریعت میں مطلقاً سنت کا لفظ آئے گا۔ تو اس سے مراد صرف وہ اوامر ہونگے جن کا آپ نے قولاً یا فعلاً حکم فرمایا ہے۔ یا وہ نواہی جن سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ اور وہ امور جن کی آپ نے ترغیب دلائی جو قرآن میں صراحۃً مذکور نہیں۔ اس لئے شرعی دلائل کے سلسلہ میں جب کتاب و سنت کا ذکر آتا ہے تو اس سے مراد قرآن و حدیث ہوتے ہیں۔

۵۔ علامہ محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی سنہ ۱۲۰۵ھ تاج العروس شرح قاموس میں اور علامہ ابن منظور افریقی م سنہ ۷۱۱ھ لسان العرب میں لفظ سنت کے تحت یہی لکھتے ہیں۔

ان اقتباسات کا تجزیہ | ان سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ۱۔ سنت بمعنی الطریقۃ المسلوکۃ (عام راستہ خواہ اچھا ہو یا برا) لیکن بعض حضرات نے لغوی معنی میں طریقہ حسنہ یا طریقہ محمودہ کی قید لگا کر اسے خیر کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ ۲۔ شریعت کی اصطلاح میں سنت کے معنی مطلقاً صرف سنت رسول اللہ کے ہیں۔ یہی سنت کے اصطلاحی معنی ہیں۔ جیسا کہ امام راغب اصفہانی ابن اثیر جزری اور ابو منظور افریقی کی تصریحات سے واضح ہے۔ کہ جس طرح شریعت میں کتاب سے مراد قرآن ہے۔ اسی طرح سنت سے مراد سنت رسول اللہ اور حدیث ہے۔

اس سنت کے مصادیق و مشمولات یعنی وہ امور جو اس سنت کے ذیل میں آتے ہیں حافظ ابن اثیر جزری علامہ ابن منظور افریقی اور حافظ مرتضیٰ زبیدی کے بیان کے مطابق تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوامر نواہی اور افعال و اعمال ہیں۔ خصوصاً وہ جو قرآن میں مذکور نہیں، لیکن امام راغب سنۃ النبی کی تعبیر طریقۃ التی کان یتحراھا سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ پیغمبرانہ اعمال و اخلاق جو آپ بالقصد والارادہ اختیار فرماتے تھے۔ اس لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

سیرت طیبہ سنت کا مصداق ہوگی جسکو قرآن حکیم نے اسوہ حسنہ سے تعبیر فرماکر اتباع کی دعوت دی ہے۔

سنت کا اصطلاحی معنی | محدثین اور ائمہ مجتہدین جن کا مطمع نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی زندگی کو مدون و مرتب کرنا اور اس سے احکام شرعیہ کا استخراج واستنباط کرنا ہے۔ وہ سنت کی تعریف یہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام تر اقوال وافعال اور تقریر (بیان سکوتی) جو احکام شرعیہ کا ماخذ ہوں۔ خواہ وہ صراحتاً قرآن مجید میں مذکور ہوں یا نہ ہوں اصطلاحاً سنت کہلاتے ہیں۔ اسی معنی اصطلاحی کے تحت کتاب اللہ کے بعد دوسرا مصدر تشریع اور احکام شرعیہ کا ماخذ سنت نبوی ہے۔

سنت خلفاء راشدین | سنت نبوی کے ماخذ احکام شرعیہ ہونے کی حیثیت سے سنت کا اطلاق خلفاء راشدین کے طرز عمل پر ہوتا ہے۔ یعنی خلفاء اربعہ کے وہ اجتہادات واستنباطات جو یقیناً کتاب وسنت ہی سے ماخوذ ومستنبط ہوتے ہیں۔ ان کے لئے بھی شریعت کی اصطلاح میں سنت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور یہ بھی شرعاً بلاشبہ حجت ہیں۔ اسکی دو وجہ ہیں۔

۱۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عرباض بن ساریہ کی مذکورہ ذیل حدیث میں خلفاء راشدین کے لئے لفظ سنت استعمال فرمایا ہے۔ اور انتہائی تاکید کے ساتھ اس کے اتباع کا حکم دیا ہے۔

فانہ من یعش بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ کما فی مشکوٰۃ ص ۳۰)	بیشک جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بکثرت دین میں اختلافات دیکھے گا پس تم اپنے اوپر لازم کر لینا میری سنت کو اور خلفاء راشدین کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں۔ اسی سے استدلال کرنا اور اسکو دانتوں سے پکڑ لینا۔ (مضبوطی کے ساتھ اس پر قائم رہنا۔)

۲۔ حضرات خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو والہانہ عقیدت اور کامل اتباع کے ساتھ طول مصاحبت ہمہ وقتی رفاقت، اور علوم وحی والہام سے غیر معمولی فطری مناسبت کی وجہ سے ایسا روحانی قرب اور اتحاد حاصل ہو گیا تھا۔ کہ ان کا علمی اور ذہنی مزاج تشریعی بن چکا تھا اور وہ علل واغراض تشریع احکام سے بخوبی واقف ہو چکے تھے۔ بلکہ درحقیقت یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خارق العادۃ تعلیم وتربیت کا زندہ معجزہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ ارشاد گرامی اور

وصیت اسی کی شہادت و توثیق ہے۔ چنانچہ امام العصر حضرت السید انور شاہ الکشمیری قدس جامع ترمذی کی امالی میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

۱۔ وفی شرح هذا الحدیث قولان قیل ان سنة الخلفاء الراشدین والطریقة المسلوکة عنهم ایضاً سنة ولیست ببدعة۔

اس حدیث کی شرح میں دو قول مشہور ہیں۔ (۱) بعض نے کہا ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت اور ان کا مختار طریقہ بھی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی بناء پر) سنت ہے۔ بدعت نہیں۔

۲۔ وقیل ان سنة الخلفاء فی الواقع سنة النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانما ظهرت علی ایدیهم۔

(۲) بعض نے کہا ہے کہ سنت خلفاء دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی ہوتی ہے۔ صرف اسکا ظہور خلفاء کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔

۳۔ ویمکن لنا ان نقول ان الخلفاء الراشدین مجازون فی اجراء المصالح المرسلة وهذه المرتبة فوق مرتبة الاجتهاد ودون مرتبة التشریع والمصالح المرسلة الحکم علی اعتبار علة لم یثبت اعتبارها من الشارع وهذا اجائز للخلفاء لا للمجتهدین۔

(۳) ہم یہ بھی کہہ سکتے (یہ تیسرا اور تحقیقی قول ہے) کہ خلفاء راشدین مصالح مرسلہ کی بناء پر احکام کے اجراء کے مجاز ہیں۔ یہ مرتبہ اجتہاد سے اوپر اور تشریع سے نیچے ایک مرتبہ ہے۔ (اور خلفاء راشدین سے مخصوص ہے۔) مصالح مرسلہ کے اعتبار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایسی علت کی بناء پر احکام جاری کر دینا جس کا اعتبار کرنا (اور اس کے تحت احکام جاری کرنا۔) شارع علیہ السلام سے ثابت نہ ہو (یہ تصرف) صرف خلفاء راشدین کیلئے جائز ہے۔ مجتہدین اس کے مجاز نہیں۔

بہر صورت شارع علیہ السلام کے ارشادِ گرامی کے مطابق سنت کا اطلاق خلفاء راشدین کے قول و عمل پر بھی درست ہے۔ اور سنتِ رسول میں شامل ہے۔ مثلاً حضرت صدیق اکبرؓ مانعین زکوٰۃ کو مرتد قرار دیکر ان سے قتال کرنا اور فرمانا:

واللہ لو منعونی عقالا کانوا یؤدونها الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لقاتلتهم۔

خدا کی قسم (اونٹ تو گیا) اگر ایک اونٹ کی رسی بھی دینے سے انکار کریں گے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔

سنت صدیقی ہے۔ اور دین میں قطع و برید کا سد باب کر کے دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت

کے لیے ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ ۲؎ اور قرآن کریم کو یکجا جمع کرنا بھی عہد صدیقی کا زریں اور اسلام کیلئے صد افتخار کارنامہ ہے۔ ۳؎ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا بیس رکعت تراویح مقرر فرمانا سنت فاروقی کی متعدد مشہور مثالوں میں سے ایک مثال ہے۔ اور مقبول ترین سنت ہے جو آج تک تمام عالم اسلام میں دائر و سائر ہے۔ ۴؎ حضرت عثمان ذی النورین کا نماز جمعہ کے لیے ایک اذان کا اضافہ فرمانا اور عالم اسلام کے تمام مسلمانوں کو علی لغۃ قریش ایک مصحف امام پر جمع کرنا اور باقی لغات ستہ اور دوسرے مصاحف سے تلاوت کو ممنوع قرار دینا۔ اور مراکز اسلام مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، شام اور مصر وغیرہ میں مصحف امام کی مصدقہ نقول بھجوا دینا سنت عثمانی ہے۔ ۵؎ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خوارج اور اپنے غالی معتقدین (قائلین بالوصیت علی) کو کافر و مرتد قرار دیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق ان سے قتال کرنا اور جلا ڈالنا۔ اور قرآن کریم کو کی تاویلوں اور تحریفوں سے محفوظ کر دینا سنت علوی ہے۔ قرآن کریم کے معنی و مراد کو نام نہاد مسلمان ملحدین اور زندیقوں کی دستبرد سے محفوظ کر دینا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایسا عظیم کارنامہ ہے۔ کہ رہتی دنیا تک امت کے لیے مشعل راہ کا کام دے گا۔

اجتہادات صحابہؓ پر سنت کا اطلاق خلفاء اربعہ کے بعد بقیہ جمہور صحابہ کرام کی سنت بھی احکام تشریعیہ کا ماخذ اور قابل استناد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم۔ (رواہ فی المشکوٰۃ عن رزین باب مناقب الصحابہ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ راہ ہدایت بتلانے میں ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کسی کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

لہذا عہد صحابہ میں مختلف فیہ مسائل میں صحابہ کرام کا کسی امر پر اتفاق کر لینا اگرچہ وہ قرآن و حدیث میں منصوص نہ ہو قوی ترین اجماع اور حجت قطعی ہے۔ اسکی تائید وہ مرفوع حدیث بھی کرتی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا: لا تجتمع امتی علی الضلالۃ۔ کہ میری امت کا اتفاق کسی خلاف صواب امر اور گمراہی پر ہرگز نہ ہو گا۔ لہذا اجماع صحابہؓ کا خلاف ائمہ مجتہدین میں سے کسی امام کے مذہب میں جائز نہیں۔ اس سنت صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشن ترین مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت پر تمام صحابہ کرام کا اجماع و اتفاق ہے۔ چنانچہ بالاتفاق منکر خلافت حضرت صدیق اکبر کافر ہے ——— باقی عدم اتفاق

کی صورت میں بھی چونکہ صحابی کے قول وفتویٰ کا مدار بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول وفعل پر ہوتا ہے۔ اگرچہ دوسرے صحابہؓ نے کسی بھی وجہ سے اس حدیث پر عمل نہ کیا ہو۔ اس لئے اسکا اتباع بھی مثل اتباع سنت رسول اور موجب ہدایت ہے۔ خطیب بغدادی کفایہ صـ۴۹ میں حضرت سے ایک حدیث قدسی نقل کرتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ صحابہ کرام کو یہ مرتبہ اور منصب اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوا ہے۔ اس لئے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا تو اصول یہ ہے کہ مجتہد کے لئے خروج عن مذاہب الصحابہ جائز نہیں۔ اور فرماتے ہیں:

ماجاءنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلناہ علی الرأس والعین۔ وماجاءنا عن الصحابہ اخترنا منہم ولم نخرج عن قولہم وماجاءنا عن التابعین فہم رجال ونحن رجال۔ اخرجہ ابن عبد البر فی الانتقاد صـ۱۴۴ باسانید مختلفہ۔

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (مرفوع) حدیث ہمارے پاس آئے گی تو ہم سر آنکھوں پر اسے قبول کریں گے۔ اور جو آثار صحابہ کرام ہمارے پاس آئیں گے۔ تو ہم ان میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دیکر اختیار کریں گے۔ اور ان کے اقوال سے باہر نہیں نکلیں گے (کہ تمام اقوال چھوڑ کر قیاس اختیار کریں۔) اور جو اقوال تابعین کے آئیں گے تو وہ بھی مجتہد رجال تھے ہم بھی مجتہد رجال ہیں۔ (ہم اجتہاد کریں گے۔)

بہر حال قرآن وحدیث کی مذکورہ بالا نصوص کی بنا پر صحابہ کرامؓ کے اجتہادات وآراء امت کے لئے سرچشمہ ہدایت اور واجب الاتباع ہیں۔ اس لئے شرعاً ان پر بھی سنت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اگرچہ کم ہوتا ہے ـــ جیسے کہ سعید بن المسیب نے حضرت زید بن ثابت کے قول کے بارے میں کہا تھا جبکہ ربیعہ نے ان سے عورت کی انگلیوں کی دیت کے متعلق پوچھا تھا۔ انما السنۃ یا ابن اخی ـــ اے میرے بھتیجے سنت (مشروعہ) یہی ہے ـــ (معانی الآثار طحاوی صـ۱۵۲)

(باقی آئندہ)

صـ۴۲ سے آگے:

تھے۔ اور مختلف طریقوں سے لوگوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بناتے تھے۔ حضرت معین الدین اجمیریؒ نے راجپوتانہ میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ اور سلطان نظام الدین اولیاؒ نے دہلی اور اس کے اطراف و اکناف میں۔ شیخ علی ہجویریؒ نے پنجاب میں اسلام کا جو چراغ روشن کیا تھا اسی کا صدقہ ہے کہ اس بتکدۂ ہند میں آج مسلمانوں کی تعداد نو کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ شمالی افریقہ میں جو اذان کی تکبیریں سنائی دیتی ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے قائم کرنے میں حضرت شیخ عبداللہ بن ادریس، محمد بن علی السنوسی اور

باقی صـ۶۱ پر

مولوی محمد ضیاالحق (بی۔ اے آنرز)
متعلم دارالعلوم حقانیہ۔ اکوڑہ خٹک

یہود قرآنِ کریم میں

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ دینِ اسلام کا پودا بڑی بڑی قربانیوں کے پاک خون سے پھلا پھولا۔ ہر عصر میں اس کی بیخ کنی کے لئے طاغوتی طاقتوں نے اپنی چوٹی کی طاقت صرف کی۔ لیکن ہر دفعہ ان کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اور یہ مظلوم پودا اپنی بے بضاعتی کے بغیر محض نصرتِ خداوندی سے برگ وبار لاتا رہا ــــ موجودہ دور میں یہود اور اہلِ اسلام کی کشمکش بھی درحقیقت انہی سابقہ روایات کی ورق گردانی ہے۔ اور عہدِ سلف کا ہلکا سا منظر ہے جس نے اہلِ اسلام کے سامنے ان کے اسلاف کی مقدس زندگی کی مکمل تصویر کھینچ دی۔ اہلِ اسلام کو ان کے روایتی دشمن کے ناپاک عزائم سے آگاہ کر دیا۔ جس دشمن نے ابتدائے اسلام سے لے کر عصرِ حاضر تک اسلامی پودے کے استیصال کے لئے ہر حربہ بروئے کار لایا ــــ

تاریخ کا درس مکرر مسلم یہودی پیکار یکسر
ارضِ عرب کا یہ معرکہ عہدِ سلف کا ہلکا سا منظر
دستِ علیؓ اور حلقوم مرحب کا سینہ اور پائے حیدر
یہ جنگِ خیبر یہ جنگِ خیبر اللہ اکبر اللہ اکبر

یہود کی سیاہ تاریخ کا کافی حصہ قرآنِ کریم سے معلوم ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم نے یہود کی دینی۔ دنیوی خباثتوں اور منعمِ حقیقی سے اعراض کی مکمل تصویر کھینچی ہے۔ اور اہلِ اسلام کو بہانگِ دہل بتا دیا ہے کہ اس قوم کی نفس پرستی نے نہ صرف ان کو اہلِ اسلام کے خلاف کیا بلکہ انہوں نے اپنے انبیاء کرام کے پیش کردہ دین کی بھی تکذیب کی۔ انبیائے کرام کو اشاعتِ دین کی پاداش میں انہوں نے شہید کیا۔ اور بیت المقدس کے ممبر پر انبیاء کے پاک خون سے ایسی ہولی کھیلی جس کی مثال کسی قوم کی تاریخ میں نہیں مل

سکتی۔ قرآن کریم اس حقیقت کی نقاب کشائی ان الفاظ سے کی: وفریقا کذبتم وفریقا تقتلون۔ یعنی بنی اسرائیل نے انبیاء کرام کی ایک کثیر تعداد کی تکذیب کی اور اشاعتِ دین کے سلسلے میں ہر قسم کی رخنہ اندازیاں کیں۔ اس ظالم قوم کا کام یہاں تک ہی محدود نہ رہا بلکہ انہوں نے انبیاء کرام کی ایک کثیر تعداد کو اپنے نجس ہاتھوں سے شہید بھی کیا۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی وقت یہ قوم اپنے ہمعصروں پر ہر لحاظ سے فائق تھی۔ اور انی فضلتکم علی العالمین کے خطاب سے مخاطب تھی۔ قرآن کریم سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے۔ کہ اللہ میاں نے اس قوم کو بڑے ناز و اکرام سے پالا۔ ان کی آسائش کے لئے مختلف انعامات دیئے۔ ان کے بے جا اور ناجائز مطالبات پر بھی ان کو معاف کیا۔ کبھی انہوں نے ذبح بقرہ سے بچنے کے لئے مختلف سوال کئے۔ مثلاً کبھی گائے کی نوع کے متعلق سوال کیا اور کبھی رنگ و عمر کے متعلق سوالات اٹھائے۔ لیکن اللہ نے ان کی ہر گستاخی کو قلم عفو کے نیچے دبا دیا۔ اور ان کے ہر سوال کا نہایت صاف جواب دیا۔ اور بادل نخواستہ ان کو ذبح بقرہ پر آمادہ کیا۔ حالانکہ ذاتی طور وہ اس حکم کی تعمیل کے لئے ہرگز تیار نہیں تھے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: فذبحوھا وما کادوا یفعلون۔" انہوں نے گائے کو ذبح کر دیا لیکن دل سے وہ اس پر آمادہ نہیں تھے۔"

اور کبھی انہوں نے من وسلویٰ جیسی عظیم نعمت کو معمولی چیزوں۔ مثلاً ککڑی۔ پیاز۔ مسور کی دال سے بدلنے کا سوال محض عناد اور سرکشی سے کیا۔ حالانکہ ان کو یہ خوب معلوم تھا کہ ان معمولی چیزوں کو اس نعمتِ عظیم کے مقابلے میں لینا عناد اور سرکشی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم نے استفہام انکاری سے اس حقیقت کی طرف ان الفاظ سے اشارہ کیا۔ اتستبدلون الذی ھو ادنیٰ بالذی ھو خیر۔" اچھا کیا تم ان معمولی چیزوں کو ایک عظیم نعمت کے مقابلہ میں لینا چاہتے ہو۔ حالانکہ تم کو تو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔

کبھی انہوں نے اپنے عظیم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل کو اپنی ناشائستہ حرکات سے عین اس وقت مجروح کیا جب کہ فرعون کا لشکر ان کے عقب میں بحیرہ قلزم کی جانب برابر بڑھ رہا تھا۔ انہوں نے بحیرہ قلزم کے ساحل پر پیغمبر کی موجودگی میں خدا سے مایوسی اور ناامیدی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ توبہ ہی بھلی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر چند ان کو نصرت خدا کی یقین دہانی کرائی اور ان معی ربی سیھدین کی کلام سے مخاطب کیا لیکن روتے چہرے کہاں سنبھل سکتے تھے۔

المختصر جب یہود نے اپنی سرکشی کو مسلسل جاری رکھا اور جب ہر طرح سے انہوں نے اپنی

فطرتی استعداد کو ختم کر دیا۔ تو اللہ نے ان کو اس کی پاداش میں مختلف قسم کے عذاب دیئے ۔۔۔ ع۔
نازگی کے راست آید بار می آیند کشید

ان کو اطرافِ عالم میں بکھیر دیا۔ اور ان کے آزادی کو سلب کرکے انہیں مختلف اقوام کا غلام بنایا۔ کبھی ان کو صحابہ کرامؓ کے مقدس ہاتھوں سے عذاب دے کر ہجرت نبوی سے پہلے ادس وخزرج پر انکی دینی، دنیوی برتری کو محض خواب خیال بنا دیا۔ کبھی ان پر بابل سے بخت نصر کو مسلط کرکے بیت المقدس میں ان کے ناپاک خون سے ایسی ہولی کھلوائی جیسی کبھی کسی زمانے میں ان کے آبا و اجداد نے انبیاء کے پاک خون سے بیت المقدس میں کھیلی تھی۔ اور کبھی ان پر جرمن سے ہٹلر کو ایک مہیب عذاب کی شکل میں مسلط کیا جس نے ان کی اینٹ سے اینٹ بجائی اور اللہ نے ان کی ناپاک چربیوں سے جرمن کے کارخانوں میں صابن بنوایا۔

قرآنِ کریم اس حقیقت کی نقاب کشائی ان الفاظ میں کرتا ہے: ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ وباؤا بغضب من اللہ ۔ " اور ڈال دی گئی ان پر ذلت اور محتاجی اور پھرے اللہ کا غضب لیکر۔" والذلۃ الذل والصغار والمسکنۃ الفقر۔ (قرطبی ص۲۳ ج۱) " ذلت سے مراد رسوائی اور المسکنۃ سے مراد فقر و احتیاج ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی اور ضد وعناد کی وجہ سے بنی اسرائیل پر ذلت و رسوائی اور تنگدستی و محتاجی ہمیشہ کے لئے مسلط کر دی گئی۔ دنیا میں جہاں بھی ہے یہ قوم ذلیل وخوار فقیر و محتاج۔ اگر ان میں دولتمند ہیں بھی جیسا کہ آج کل امریکہ میں یہود مالدار ہیں تو گنتی کے چند افراد ہیں۔ عوام الناس کا شمار جس طرح پہلے دنیا کی مفلس ترین اقوام میں ہوتا تھا اب بھی مفلس و محتاج ہیں۔ اور باؤ کا معنی استحقوا اور استوجبوا کے ہیں۔ (کبیر ص۵۲۲ ج۱) (ابن کثیر ص۱۰۲ ج۱) یعنی قوم بنی اسرائیل کفر وعصیان اور قتل انبیاء کرام کی وجہ سے غضب الٰہی کی مستحق ٹھہری۔

اہلِ اسلام اور یہود کی موجودہ جنگ میں جو وقتی فتح اسباب مادیہ کے سلسلے میں یہود کو ہوئی ہے۔ اس سے بعض مستشرقین اور کج فہم حضرات نے قرآنِ کریم کے خلاف ایک نیا ایجی ٹیشن قائم کیا ہے۔ اور اس پروپیگنڈے کو ہر جگہ ہوا دے رہے ہیں۔ " لو جی تو قرآن کا فیصلہ ہے کہ یہودی مغضوب خدا ہیں۔ اور ان پر ہمیشہ کے لئے ذلت و فقر مقرر ہے۔ لیکن آج یہودی ایک مستقل ریاست کے مالک ہیں۔ اور انہوں نے اہلِ اسلام کے ناک میں دم کر رکھا ہے۔"

میرے خیال میں ان کا یہ پروپیگنڈہ صرف ان قلوب میں کارفرما ہو سکتا ہے۔ جو ان کی طرح

کج فہم اور ظاہر بین ہوں جن کو قرآنی مفہوم سے دور کی بھی نسبت نہ ہو۔ اس کے علاوہ وہ قلوب جو ایمان محکم سے معمور ہیں اور جن میں پختہ یقین اور شغف قرآنی موجود ہے، مطلقاً اس پروپیگنڈہ سے متاثر نہیں ہو سکتے خود قرآن کریم سورہ بقرہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر القرآن یفسر بعضہ بعضاً (کہ قرآن کا بعض حصہ بعض کی تفسیر کرتا ہے) کے قاعدہ کے مطابق سورہ آل عمران میں ان الفاظ سے کرتا ہے۔

ضربت علیہم الذلۃ این ما ثقفوا الا بحبل من اللہ وحبل من الناس وباؤ بغضب من اللہ وضربت علیہم المسکنۃ۔ (نزول کے اعتبار سے سورہ بقرہ ۸۰ اور سورہ آل عمران ۸۹ درجہ رکھتی ہے)

ترجمہ:۔ ماردی گئی ان پر ذلت جہاں بھی دیکھے جائیں سوائے دست آویز اللہ کے اور دست آویز لوگوں کے اور کمایا انہوں نے غصہ اللہ کا لازم کر دی گئی ان کے اوپر محتاجی اور حاجتمندی۔

حبل کے معنی عہد اور ذمہ کے ہیں۔ الحبل العہد والامۃ (مدارک ص ۱۳۷/۱) اور حبل من اللہ سے مراد عقد ذمہ اور ادائے جزیہ ہے۔ اور حبل من الناس سے لوگوں کیطرف سے امان نفس اور حفاظتِ مال وغیرہ کا عہد مراد ہے۔

ای بذمۃ من اللہ وھو عقد الذمۃ لہم وضربت الجزیۃ علیہم والزامہم احکام الملۃ وحبل من الناس ای امان منہم لہم کما فی المحاھد۔ (ابن کثیر ص ۳۹۶/۱) —— حاصل یہ کہ یہود پر انفرادی طور پر ذلت اور رسوائی مسلط کر دی گئی اور قرآن کی مذکورہ دو صورتوں کے علاوہ نہ ان کا مال محفوظ ہے اور نہ جان۔ اور نہ ان کو وقار وعزت کی زندگی نصیب ہے۔

اوّل یہ کہ وہ کسی مسلم حکومت کے ذمی بن کر رہیں اور ان کو جزیہ ادا کریں اور اسطرح وہ حقوق ذمہ حاصل کر لیں جو اللہ نے ان کے لئے مقرر کئے ہیں۔

دوم یہ کہ کسی دوسری قوم سے دوستی نصرت، مدد کا معاہدہ کر لیں۔ اور اس طرح ان کو زندگی میں کچھ چین نصیب ہو جائے۔ اور ان دو صورتوں کے سوا دنیا میں نہ ان کو خود مختار حکومت قائم ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی ان کا مال وجان محفوظ ہو سکتا ہے۔ آج اگر دنیا کے ایک مختصر سے حصے میں یہودیوں کی ایک مختصر سی حکومت قائم ہو گئی تو در حقیقت کا اپنا کوئی وجود نہیں۔ اور انفرادی طور پر ان کو کوئی وقعت حاصل نہیں جو کہ ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ۔ کا مقتضیٰ ہے۔ بلکہ وہ حکومت حبل من الناس کے تحت امریکہ اور برطانیہ کے سہارے سے جی رہی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسرائیل کی حکومت کا قیام مغرب کے عیار جوئے بازوں کے ذاتی مفادات کا نتیجہ ہے۔ اور کچھ نہیں۔ امریکہ نے مشرق وسطیٰ میں اپنے مخصوص سیاسی اور اقتصادی مفادات کے پیش نظر یہ کاغذی ڈھانچہ کھڑا کر دیا ہے۔ اسکی اپنی

کوئی طاقت نہیں اور نہ ہی اسکی کوئی خود مختار پالیسی ہے۔ اگر آج امریکہ اور برطانیہ اسکی امداد سے دست کش ہو جائیں تو سورج ڈھلنے سے پہلے اسرائیلی حکومت کی ہڈی پسلی نہ ملے۔

سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کی مذکورہ آیتوں کا باہمی موازنہ کرنے سے قرآن کریم کا صحیح مقصد معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن اسرائیل کی منفرد حکومت اور ان کی آزاد پالیسی کی نفی کرتا ہے۔ باقی اس کے علاوہ اگر بنی اسرائیل کو دنیا کے نقشہ میں چھوٹی سی حکومت حبل من الناس کے تخت نصیب ہو جائے تو قرآن اسکی نفی نہیں کرتا۔ جیسا کہ کج فہم اور مستشرقین نے ظاہر بین نظروں سے سمجھا ہے۔

موجودہ جنگ میں وقتی طور پر جو فتح یہود کو ہوئی تو اس سے اہل اسلام کو قطعاً دل برداشتہ نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ یہ تو زمانے کے تغیرات ہیں۔ جو اسباب مادیہ پر یکے بعد دیگرے مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

تلك الايام نداولها بين الناس - " ایام دنیا کو ہم اقوام میں بدلتے رہتے ہیں "

آج جن تین میدانوں میں معرکہ ایمان و کفر برپا ہے۔ انہی تین میدانوں میں پہلے بھی کسی وقت کفر و اسلام کے درمیان جنگ ہوئی تھی۔ یہ العریش کا وہی میدان جنگ ہے جہاں برسوں پہلے حضرت عمرو بن عاصؓ نے عزیز مصر کے رومی لشکر جرار کو شکست فاش دے کر قاہرہ کی فضاؤں میں اسلام کا سبز ہلالی پرچم لہرایا تھا۔ خلیج طبریہ کا ساحل وہی میدان جنگ ہے جہاں اب سے چھ سو سال پہلے غازی سلطان صلاح الدین ایوبی نے بزدل رچرڈ کا غرور ہمیشہ کے لئے خاک میں ملا دیا۔ دریائے یرموس کا ساحل جہاں متحدہ عرب جمہوریہ کے جیالے سپاہی اسرائیلیوں کے ناپاک جسموں کو چھلنی کرنے کیلئے مستعد و منتظر ہیں۔ یہی وہ ساحل ہے جہاں پر شیر دل خالد بن ولید نے اپنے گنتی کے چند سرفروشوں کے ساتھ قیصر ہرقل کی ڈھائی لاکھ فوج کی لاشوں پر اسلام کا فلک بوس پرچم گاڑا تھا ۔۔۔ ان میدانوں نے پہلے بھی فاتح عربوں کے قدم چومے تھے۔ یہ میدان اب کی بار بھی فاتح عربوں کے قدموں تلے ہو کر رہیں گے۔ انشاء اللہ ۔۔۔ یہ درست ہے کہ فرعون بحیرہ قلزم میں غرق ہو گیا تھا۔ اور اب بھی قلزم کی موجیں اس دور کے فرعونوں لئے بھوکی ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ■■

بقیہ صفحے سے آگے:

جماعت فلاحین کی کوششوں کو دخل نہیں ہے۔ سماٹرا، ملایا اور جاوا میں جو توحید کی گونج ہے کون انکار کر سکتا ہے۔ کہ وہ شیخ عبداللہ عارف، سید برہان الدین، شیخ عبداللہ الیمنی، مولانا ملک ابراہیم، اور شیخ نور الدین ایسے نفوس قدسیہ کی مساعی حسنہ کا اثر جمیل ہے ۔۔۔۔۔۔۔ ■

مولانا سلطان محمود ناظم دفتر اہتمام

احوال وکوائف دارالعلوم حقانیہ

حضرت مہتمم صاحب کا سفر ملتان ۲۶ر ربیع الثانی کو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نائب صدر وفاق المدارس نے وفاق المدارس اور سنی کونشن اور جمعیۃ العلماء اسلام کی میٹنگوں میں شمولیت کیلئے ملتان تشریف لے گئے۔ ۲۷ر ربیع الثانی کو آپ نے وفاق المدارس عربیہ مغربی پاکستان کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں شرکت کی۔ وفاق کی میٹنگ میں وفاق کی تنظیم و ترقی کے بارے میں غور و خوض ہوا۔ دورہ حدیث کے امتحانات میں شمولیت کرنے والے طلباء کے لئے وسطانی امتحانات دینے کی پابندی حالاً ملتوی کر دی گئی۔ نیز جن کامیاب طلباء کی سند بوجہ وسطانی امتحانات نہ دینے کے روک دی گئی تھی انہیں وفاق کی سند دینے کی اجازت دی گئی۔ نیز طے ہوا کہ جو مدارس وفاق سے ملحق نہیں ہیں۔ مدارس اور طلبۂ مدارس کے وسیع تر مصالح کی خاطر انہیں وفاق سے ملانے کی سعی کی جائے۔ سالانہ امتحانات حسب معمول وفاق کی نگرانی میں لینے کا فیصلہ کیا گیا۔ ۲۸ر ربیع الثانی کو آپ نے تنظیم اہل سنت کے زیر اہتمام مغربی پاکستان سنی کونشن میں شرکت کی۔ اس کونشن میں ملک کی عظیم اکثریت سنیوں کے حقوق کی حفاظت کیلئے کئی امور زیر غور آئے اور متفقہ طور پر کئی قراردادیں پاس ہوئیں۔ جن میں نصاب تعلیم میں خلافت راشدہ کا حصہ خارج کرنے پر احتجاج اور شیعہ جلسے جلوسوں پر پابندی کی قراردادیں شامل ہیں۔ ۲۹ر ربیع الثانی بروز پیر آپ نے جمعیۃ العلماء اسلام مغربی پاکستان کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں شمولیت کی۔ جس میں جمعیۃ کی تنظیم و ترقی کے بارے میں غور و خوض کیا گیا۔ میٹنگ میں جمعیۃ کا انتخاب بھی عمل میں آیا۔ مولانا عبداللہ درخواستی مدظلہ صدر مولانا مفتی محمود اور مولانا عبیداللہ انور نائب صدر۔ اور مولانا غلام غوث ہزاروی ناظم اعلیٰ منتخب کئے گئے۔

ششماہی امتحانات ۵ر جمادی الاول بروز ہفتہ دارالعلوم کے ششماہی امتحانات شروع ہوئے۔ امتحانات حسب معمول تحریری و تقریری لئے گئے۔ اور ۹ر جمادی الاول تک جاری رہے۔

ناظرہ کورس محکمہ تعلیم پشاور ریجن کیطرف سے مڈل اور پرائمری سکولوں کے اساتذہ

کو ناظرہ قرآن مجید کی تربیت کے سلسلے میں تین ہفتوں کے تعلیمی کورس کا انتظام کیا گیا تھا۔ محکمہ تعلیم پشاور کی خواہش پر ضلع پشاور (چارسدہ۔ نوشہرہ) کے تقریباً تیس زنانہ اور مردانہ سنٹروں کیلئے دارالعلوم حقانیہ نے قابل اور تجربہ کار معلم فراہم کئے۔ جن میں اکثریت فضلاء حقانیہ کی تھی۔ تقریباً تقریباً ہر سنٹر میں متعلقہ حضرات نے ناظرہ قرآن خوانی کے اسلوب اور طریق اداء وغیرہ مباحث اور تعلیم کا کام نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اس سلسلہ میں قریبی علاقہ کے سکولوں کے لئے ایک سنٹر دارالعلوم حقانیہ میں بھی کھول دیا گیا تھا۔ ۳۱ر جولائی ۱۹۶۰ء کو اس کلاس کی افتتاحی تقریب میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کے علاوہ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف ایجوکیشن ضلع پشاور اور دیگر حضرات نے شمولیت کی۔

حضرت شیخ الحدیث کی تقریر | اس موقع پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ ناظرہ قرآن کریم کے سیکھنے اور سکھانے کا یہ موقع آپ کی زندگی کا بہترین موقع ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے۔ تلاوت خدا تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف ہے۔ جو تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ اگر کسی ملک کا بادشاہ دو منٹ بھی کسی سے بات چیت کرے۔ تو انتہائی خوش بختی سمجھی جاتی ہے۔ تو اس کورس میں آپ کلام الٰہی پڑھیں گے۔ جو احکم الحاکمین کا کلام ہے۔ اس کلام کے صدقے میں اللہ تعالیٰ نے ہم پر کروڑوں بلکہ بیشمار احسانات فرمائے ہیں۔ ہماری زندگی کی پریشانیوں کا علاج اسی میں ہے۔ یہ اس ذات اقدس کیطرف سے نازل ہوا ہے۔ جو کہ عزت اور ذلت دینے والا ہے۔ قل اللھم مالک الملک الخ فرعون جیسا شخص جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ احکم الحاکمین کا مدمقابل بنا۔ ارحم الراحمین نے فرعون کو اس طغیانی کے باوجود مہلت اور ڈھیل دی۔ لیکن جب مولا نے چاہا تو بحیرہ قلزم میں اس کے اقتدار اور گھمنڈ کو غرق کر دیا۔ وہی ملک الملک جو ہماری زندگی کے بست وکشاد کا مالک ہے۔ اپنے پیغمبر کے ذریعے اپنے کلام سے ہم ناچیزوں کو مشرف فرمایا۔ جو نوع انسان پر خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا: خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ۔ تم میں سے بہتر قرآن کا متعلم اور معلم ہے۔ یعنی جو خود بھی سیکھے اور اوروں کو بھی سکھائے۔ اس کتاب سے دنیا کے حقیقی عروج اور ترقی وابستہ ہے۔ امت مسلمہ کا مقصد بھی تعلیم اور ابلاغ قرآن ہے۔ بتلایا گیا: کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔ یعنی تم دنیا کے معلّم بنا کر بھیج دئے گئے۔ کہ اچھی باتوں کا حکم دو۔ اور بُری باتوں سے روکو ـــــ کفارِ مکہ نے اس نعمت کی بے قدری کی۔ تو یہ نعمتِ عظمیٰ مدینہ طیبہ منتقل ہو گئی۔ اور اسکی بدولت مدینہ اسلام کا مرکز اور دل قرار پایا۔ بے حساب فضیلت اسے حاصل ہوئی

جس پر علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، علماء کرام نے فرمایا کہ مدینہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد اطہر تمام آسمانوں، زمینوں اور عرش تک سے بہتر اور مبارک ہے۔ مدینہ طیبہ میں ایک نماز کا اجر پچاس ہزار نمازوں کے برابر قرار پایا۔ جس وقت جزیرۃ العرب میں اسلام غالب ہوا۔ تو صحابہ کرامؓ نے ایسے مبارک بلاد کو محض تبلیغ قرآن کی خاطر چھوڑا۔ اور اسلام کی روشنی پھیلانے کی خاطر ہندوستان، چین، جاوا، سماٹرا اور انڈونیشیا کیطرف بڑھے۔ اور دنیا میں اسلام کی اشاعت کر کے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس الخ کے مصداق ہوئے۔ آج ان کی برکت سے چودہ سو سال گزرنے پر بھی یہاں اور دنیا کے دور دراز علاقوں میں ستر کروڑ مسلمان موجود ہیں۔ اگر مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں ایک لاکھ اور پچاس ہزار کا ثواب ملتا۔ مگر ان کی تبلیغ کی بدولت جو لوگ مسلمان ہوئے۔ ان کے بدلے انہیں اربوں بلکہ اس سے بھی زیادہ نمازوں کا ثواب مل رہا ہے۔ کہ ان ہی کی تبلیغ سے آج دنیا کے گوشے گوشے میں کلمۂ توحید بلند ہو رہا ہے۔ اور انہی کی کوششوں کی بدولت مسلمانوں نے اس ملک میں آٹھ سو سال تک حکومت کی۔ اور اب ایک الگ مملکت ہمیں حاصل ہے۔ ان بزرگوں نے قرآن شریف ہاتھ میں لیا۔ یہاں آ کر اسلام کی جڑیں لگا دیں۔ اگر اکبر نے لادینی کی پالیسی اختیار کی مگر وہ دور بھی آیا۔ کہ اورنگ زیب جیسے بادشاہ تخت نشین ہوئے۔ ان کے عہد میں قرآن کا دور دورہ تھا۔ وہ خود حافظ قرآن تھے۔ ان کے والد صاحب شاہجہان ان سے ناراض تھے۔ انہوں نے اپنے والد کی خوشنودی کے لئے حفظ کیا۔ اور جب انہیں اپنے حافظ ہونے کی بشارت سنائی تو انہوں نے فوراً معاف کر دیا۔ کہ قرآن شریف کے حفظ کی بدولت وہ آخرت کے تاج سے سرخرو ہوں گے۔ انشاء اللہ ـــــ حدیث میں آیا ہے۔ کہ قرآن شریف یاد کرنے والوں کے والدین کے سر پر قیامت کے دن سونے کا تاج رکھا جائیگا۔ جسکی چمک دمک شمس اور قمر سے بڑھ کر ہو گی۔ بہر تقدیر اس کے بعد انگریز کا دور آیا۔ انہوں نے یہ پالیسی اختیار کی کہ مسلمانوں کو قرآن کریم سے محروم کیا جائے۔ اور ان میں مغربی تہذیب کی ایسی سپرٹ ڈال دی جائے کہ رنگ ونسل سے اگرچہ پاکستانی اور ہندوستانی ہوں۔ لیکن تہذیب و تمدن کے لحاظ انگریز یہود اور نصاریٰ بن جائیں۔ چنانچہ ایک حد تک وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہوئے۔ اب الحمد للہ ہم سب کو اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کے مساعی اور مسلمانوں کی قربانیوں سے اسلام کے نام پر ایک اسلامی ملک پاکستان دیدیا ہے۔ اور دنیا کے مسلمانوں کی آنکھیں اس طرف لگی ہوئی ہیں۔ اس لئے قوم بچوں سے بنتی ہے۔ نئی نسل کی بنیاد بچے ہیں۔ آپ حضرات پر بڑی ذمہ داریاں ہیں۔ انکی صحت واصلاح اساتذہ کرام اور تعلیم کی صحت پر موقوف ہے۔ آپ لوگ یعنی اساتذہ حضرات

بچوں کے مربی اور ان کی طبیعتوں کے سدھارنے والے ہیں۔ فلسفہ اور حکمت کے ایک بڑے عالم ارسطو کا قول ہے۔ الطبیعۃ سراقۃ۔ طبیعت چوری کرنے والی ہوتی ہے۔ اور بچپن کے زمانہ میں طبیعت ہر قسم کی تربیت کا اثر قبول کر لیتی ہے۔ آپ اندازاً کم از کم چھ گھنٹے بچوں کو تعلیم دیتے ہیں۔ آپ قوم کے معمار ہیں۔ معاشرہ میں انقلاب تعلیم کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم سے اتنا کام نہیں ہو سکتا جتنا کہ تعلیم کے ذریعہ۔ یہاں سے انگریز چلا گیا۔ مگر اسکی تعلیم کا اثر اب بھی باقی ہے۔ اور ہمارا انتظام تعلیم اسی انگریزی خطوط پر قائم ہے۔ تعلیم اور خاص طور سے دینی تعلیم اشد ضروری ہے۔ اولاً معماران قوم خود صحیح تعلیم سے آراستہ ہوں۔ طلبہ آپ سے متاثر ہوں گے۔ حکومت نے ناظرہ قرآن خوانی کے سلسلے میں جو قدم اٹھایا ہے۔ تحسین اور تائید کا مستحق ہے۔ مگر جو کتاب ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوئی اسکی ناظرہ کے لئے اکیس [۲۱] دن کافی نہیں۔ محکمہ تعلیم کو چاہئے کہ وہ اس کے واسطے کافی عرصہ اور وسیع پیمانے پر انتظام کرے۔ تاکہ اساتذہ کو قرآن کریم ازبر ہو جائے بلکہ اسکی تعلیمات پر ان کا علم ضروری ہے۔ یہ انتہائی افسوس کی بات ہو گی، اگر مسلمان قوم میں معماران قوم خود اسلامی علوم بلکہ بنیادی کتاب قرآن کریم سے ناواقف ہوں۔ اس کے لئے قرآن خوانی و قرآن فہمی کا انتظام ضروری ہے۔ کم از کم محکمہ تعلیم اپنے ہاں اساتذہ کی تقرری کیلئے ناظرہ قرآن خوانی کی مکمل مہارت لازم قرار دے۔ میری دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ محکمہ تعلیم کی مساعی ثمر آور فرما دے۔ اور تمام اساتذہ کورس ناظرہ قرآن مجید ماہرین قرآن ہوں۔ اور محکمہ کے حکام اعلیٰ خصوصاً ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس ضلع پشاور جناب غلام حیدر خان صاحب اور ان کے نائبین کی اس جلیل القدر کوشش کو بار آور کر دے۔ اور متعلقہ حضرات اپنی ذمہ داریوں کو پہچان کر یہ کام احسن طریقہ سے انجام دے سکیں۔ اور حکومت کو تمام عصری تعلیمی نظام اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کی جلد از جلد توفیق دے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی تقریر کے بعد جناب ڈی۔ آئی۔ ایس ضلع پشاور نے اپنی جوابی تقریر میں ناظرہ کورس کے سلسلے میں تعاون پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کا شکریہ ادا کیا۔ اور دار العلوم کی خدمات سراہتے ہوئے فرمایا۔ کہ جسطرح اللہ تعالیٰ نے دار العلوم دیوبند کو خدمت اسلام کا مرکز بنایا ہے۔ اسیطرح ان بزرگوں کے ہاتھوں خداوند تعالیٰ نے اسلام کی اشاعت کیلئے دار العلوم حقانیہ کی شکل میں ایک شمع جلائی۔ یہاں سے علم کی نہریں بہتی ہیں۔ اس لئے میں اس مقام کو مقدس و متبرک سمجھتا ہوں۔ ہمیں حضرت شیخ الحدیث صاحب کی معاونت اور رہنمائی پر فخر ہے۔ انہوں نے اسکولوں کے اساتذہ سے اپیل کی کہ وہ ان دنوں پورے طور سے یکسو ہو کر قرآن کریم کی تعلیم میں لگ جائیں۔ ■